سب سے منفرد اور کثیر الاشاعت • خواتینِ اسلام کا پسندیدہ رسالہ

ماہنامہ
بناتِ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا
کراچی

308

مسلمان جیت رہا ہے

عالمِ اسلام کو سالِ نو مبارک

الحسن والحسين سيدا شباب أهل الجنة
(الترمذي، مسند احمد)

جنّتی نوجوانوں کے سردار

محمود کی رہائی
عظیم مجاہد رہنما کی جگر سوز داستان

مسلسل اشاعت کے 27 سال

ہر ماہ بعد شائع ہونے والا پاکستان کا کثیر الاشاعت میگزین

ماہنامہ بناتِ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

جلد ۲۷ شمارہ ۱

محرم ۱۴۴۸ھ، جولائی 2026ء

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا

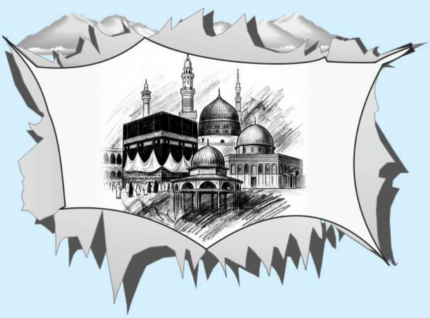

زرِ تعاون فی شمارہ 120/= روپے

سالانہ تعاون

پاکستان ——— ۱۴۴۰ روپے

یورپ ——— ۴۰ ڈالر

امریکہ/افریقہ ——— ۶۰ ڈالر

عرب ممالک ——— ۳۵ ڈالر

بھارت ——— ۳۰ ڈالر

صرف مضامین و خطوط کیلئے

i.maqsood313@yahoo.com

ترسیل اور حصول رسالہ کیلئے: مکتبہ ابن مبارکؒ ۳ حق سٹریٹ، اردو بازار، لاہور

پبلشر حافظ طاہر حمید پرنٹر رئیس الرحمٰن الجنت پرنٹنگ پریس کراچی مقام اشاعت ۱۲ ڈاڈی مینشن ریگل چوک کراچی

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ!

☆...... ماہنامہ ''بَنَاتِ عَائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا'' اپنی مسلسل اشاعت کے 27ویں سال میں قدم رکھ رہا ہے۔

☆...... ماہنامہ ''بَنَاتِ عَائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا'' ہر اسلامی مہینے کے آغاز میں آپ تک خوبصورت اور دل نشین انداز میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت، حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور دینِ اسلام کی تعلیمات کا پیغام پہنچاتا ہے۔

☆...... ماہنامہ ''بَنَاتِ عَائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا'' کے صفحات پر آپ تفسیر قرآن، احادیث نبوی، دینی مسائل، عبرت و نصیحت پر مبنی واقعات اور شرم و حیاء کے جذبات، سب کچھ انتہائی مستند، دلچسپ اور مؤثر شکل میں پڑھ سکتی ہیں۔

☆...... ماہنامہ ''بَنَاتِ عَائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا'' ہر مسلمان گھرانے کی لازمی ضرورت اور ہر مسلم فرد کیلئے انتہائی مفید ہے۔

☼ ماہنامہ ''بَنَاتِ عَائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا'' خود پڑھیں۔
☼ دوسروں کو اس کے مطالعہ کی ترغیب دیں اور اپنے حلقۂ احباب میں بطور تحفہ اسے پیش کریں۔
☼ یقیناً یہ ایک عظیم دینی دعوت اور بہت بڑی سعادت ہوگی

اگر آپ ماہنامہ ''بَنَاتِ عَائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا'' کے پیغام سے متفق اور اس کے اسلوب سے مطمئن ہیں تو...... آئیں! آگے بڑھیں اور اس کو ہر مسلمان گھرانے تک پہنچانے میں ہمارا ساتھ دیں۔

روشنی

حمد باری تعالیٰ

دو عالم سے کرتی ہے بے گانہ دل کو
عجب چیز ہے لذتِ آشنائی
کیا تُو نے صحرا نشینوں کو یکتا
خبر میں ، نظر میں ، اذانِ سحر میں
طلب جس کی صدیوں سے تھی زندگی کو
وہ سوز اس نے پایا انھی کے جگر میں
کشادِ درِ دل سمجھتے ہیں اس کو
ہلاکت نہیں موت ان کی نظر میں
دلِ مردِ مومن میں پھر زندہ کردے
وہ بجلی کہ تھی نعرۂ لاتذر میں
عزائم کو سینوں میں بیدار کردے
نگاہِ مسلماں کو تلوار کردے

ہدیۂ عقیدت بحضور سرورِ کائناتﷺ

لگاتا ہاتھ نہ پتلے کو ابوالبشر کے خدا
اگر ظہور نہ ہوتا تمہارا آخر کار
امیدیں لاکھوں ہیں لیکن بڑی امید ہے یہ
کہ ہوسگان مدینہ میں میرا نام شمار
جیوں تو ساتھ سگان حرم کے تیرے پھروں
مروں تو کھائیں مجھ کو مدینہ کے مور و مار
اڑا کے باد میری مشت خاک کو پس مرگ
کرے حضور کے روضے کے آس پاس نثار
ولے یہ رتبہ کہاں مشت خاک قاسم کا
کہ جائے کوچۂ اطہر میں تیرے بن کے غبار
بس اب درود پڑھ اس پر اور اس کی آل پہ تو
جو خوش ہوں تجھ سے وہ اور اس کی عترتِ اطہار
الٰہی اس پر اور اس کی تمام آل پر بھیج
وہ رحمتیں کہ عدد کرسکے نہ ان کا شمار

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللہ ﷻ کے اسماءِ مبارکہ

المُقسِطُ

عدل و انصاف کرنے والا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

رسولِ اکرم ﷺ کے اسماءِ مبارکہ

اوّل

پہلا

اس شمارے میں

10 اداریہ
محمد منصور احمد

15 قناعت کی جنت
امیر المجاہدین حضرت مولانا محمد مسعود ازہر حفظہ اللہ تعالیٰ

21 مختصر تاریخ اسلام
محمد منصور احمد

34 جنتی نوجوانوں کے سردار
ام ایمن

47 غزہ... ضمیر کے زخم
ام اسعد

65 القسام بریگیڈ کے ترجمان ابو عبیدہ ثانی کا بیان
بنت سہیل

70 — فلسطینی بچّہ
21 ماہ کے فلسطینی بچے پر صیہونیوں کا تشدد
ام افضل

75 — یہ قوان کا شیوہ ہے
غزہ ہو گیا عالمی سرخیوں سے اوجھل
ام فرید

84 — نعت شریف
محترمہ بلقیس صاحبہؒ والدہ ماجدہ حضرت مفتی رشید احمد لدھیانویؒ

86 — مکروہ عزائم کی تکمیل
پھانسی کا قانون اور فلسطینی
اخت اطہر

93 — شوقِ شہادت
محمد شہید

102 — تہِ خاک ہم تو اکیلے رہیں گے
اکبر الہ آبادی مرحوم

105 — اسرائیلی ظلم
قابض اسرائیل کی فرعون سے محبت
اخت فیصل

110 — دعاؤں کی قبولیت کے سنہرے واقعات
ام احمد عبد الرحمن

119 — فلسطین کی کہانی
فلسطینی نسل کشی۔ سب ہاتھوں نے پہن رکھے ہیں دستانے
اخت زاہر

126 — میری ماں... میری جنت
المصباح

138 — اولاد کو بگڑنے سے کیسے بچائیں
ام حبیب

145 — محمود کی رہائی
ادارہ

164 — سورۃ التکاثر
حفصہ منصور

174 — پردے کے تفصیلی احکام
ام مجاہد

182 — میرا باورچی خانہ
ام ہانی

جل جلالہ

کلامِ ہدایت

انبیاءِ کرام علیہم السلام.....نمونہ عمل

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ ۖ (الانعام۔ ۹۰)

''یہ لوگ (جن انبیاء کا پہلے ذکر ہوا) وہ تھے جن کو اللہ نے ہدایت دی تھی، تو آپ بھی انہی لوگوں کے راستے پر چلیں۔''

اے اللہ!

☆......میں ویسے نماز تو نہیں پڑھ سکا، جو آپ کی شان کے لائق ہو۔ ☆......اور میں ویسے روزے بھی نہیں رکھ سکا، جیسے حضرت داؤد علیہ السلام روزے رکھتے تھے۔ ☆......اور میں جب بیمار ہوتا ہوں تو حضرت ایوب علیہ السلام کی طرح صبر کا مظاہرہ بھی نہیں کر سکتا۔ ☆......اور میں آپ کی حمد و ثناء کے ساتھ آپ کی تسبیح بھی ویسے بیان نہیں کر سکا، جیسے سیدنا یونس علیہ السلام نے تسبیح کی تھی۔ ☆......اور میں اپنے دین پر ویسے مضبوطی کے ساتھ قائم نہیں رہ سکا، جیسا کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام قائم تھے۔ ☆......اور میں اپنی آنکھوں کی بھی ویسے حفاظت نہیں کر سکا، جیسے سیدنا یوسف علیہ السلام نے اپنے تمام اعضاء کی حفاظت کی تھی۔ ☆......اور میں (نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرح) کسی کو اس حد تک معاف نہیں کر سکا کہ میں یہ کہہ دوں: ''تم لوگ جاؤ کہ تم سب کو معاف کر دیا گیا ہے۔'' ☆......لیکن! اے اللہ! میں ان حضرات کی طرح آپ سے محبت ضرور کرتا ہوں۔

کلامِ ہادیٔ عالم ﷺ

اچھے لوگوں کی حوصلہ افزائی کریں!

اَللّٰھُمَّ اَبْغِنِي حَبِيْبًا هُوَ اَحَبُّ اِلَيَّ مِنْ نَفْسِيْ۔ (صحیح مسلم: 1807)

"اے اللہ! مجھے ایسا محبوب عطا فرما جو مجھے میری جان سے بھی پیارا ہو۔"

☆۔۔۔نبی کریم ﷺ نے صلح حدیبیہ کے موقع پر سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ ان کے پاس کوئی اسلحہ نہیں ہے۔آپ نے اُن کو ایک ڈھال عطا فرمادی لیکن بعد میں جب آپ کی نظر ان پر پڑی تو دیکھا کہ وہ ڈھال ان کے پاس نہیں ہے۔

آپ ﷺ نے ان سے پوچھا:" میں نے جو ڈھال تمہیں دی تھی وہ کہاں گئی؟۔

"انہوں نے عرض کیا:

میری ملاقات اپنے چچا عامر رضی اللہ عنہ سے ہوئی تو ان کے پاس کوئی اسلحہ نہیں تھا، اس لیے وہ ڈھال میں نے ان کو دے دی۔نبی کریم ﷺ ہنس پڑے اور انہیں مخاطب کر کے فرمایا: تم تو اس پہلے شخص کی طرح ہو جس نے کہا تھا:

اَللّٰھُمَّ اَبْغِنِي حَبِيْبًا هُوَ اَحَبُّ اِلَيَّ مِنْ نَفْسِيْ۔ (صحیح مسلم: 1807)

"اے اللہ! مجھے ایسا محبوب عطا فرما جو مجھے خود اپنی جان سے بھی پیارا ہو۔"

(گویا نبی کریم ﷺ نے سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کے جذبہ خیر خواہی اور ایثار کی بہت اچھے انداز سے تعریف و تحسین فرمائی)

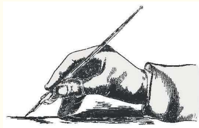

ہر ماہ بعد شائع ہونے والا پاکستان کا کثیر الاشاعت میگزین

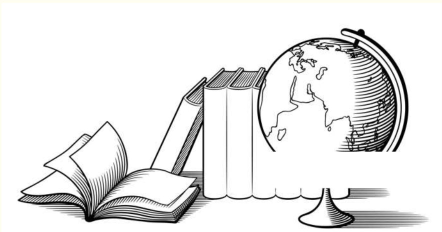

اداریہ

مسلسل اشاعت کے 27 سال

آج کا دور میڈیا کا دور ہے اور میڈیا کے بغیر کوئی دعوت، کوئی تحریک کامیاب نہیں ہوسکتی۔ یہ وہ خیال اور وسوسہ ہے، جس نے بہت سے لوگوں کو ایمان کی بلندی سے اتار کر گناہوں کے گہرے کنویں میں پھینک دیا ہے۔ ایسے لوگ، برا نہ مانیں تو، قرآن مجید اور احادیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ میڈیا پر ایمان رکھتے ہیں۔

میڈیا انہیں جو سچ جھوٹ، صحیح غلط اور اچھا برا سنا دیتا ہے اور دکھا دیتا ہے، وہ بلاسوچے سمجھے اُسے تسلیم کر لیتے ہیں۔ مانا کہ برائی کے سمندر میں چند نیکی کے جزیرے بھی آباد ہیں لیکن ان تک پہنچتے پہنچتے اکثر و بیشتر مسافر اپنا سب کچھ گندی لہروں کی نذر کر ڈالتے ہیں۔ ہاں البتہ جس پر اللہ تعالیٰ کا رحم و کرم ہو تو وہی کامیاب اور محفوظ رہتا ہے۔

میڈیا کبھی ضرور خبروں کا ذریعہ رہا ہو گا اور لوگ اس سے مفید اور صحت مند معلومات بھی حاصل کرتے ہوں گے لیکن یقین جانیں آج ایسا بالکل نہیں۔ آج میڈیا خبروں کے حصول یا ترسیل سے زیادہ دل و دماغ کو زہریلے پروپیگنڈے سے آلودہ کرنے کا کامیاب ترین ذریعہ ہے۔ اسلام اور اہل اسلام کو بدنام کرنا، اخلاق اقدار اور مفید معاشرتی روایات کی بیخ کنی کرنا، بے حیائی اور عریانی پر مبنی مغربی ثقافت کو عام کرنا، مظلوم مسلمانوں کو ظالم اور درندہ صفت عالمی غنڈوں کو انسانیت نواز ثابت کرنا، یہ سب بلکہ ان سے کہیں زیادہ گھناؤنے مقاصد حاصل کرنے کیلئے شب و روز ہمارے معاشرے میں اخبارات و جرائد اور ٹی وی چینلز ایک دوسرے سے بڑھ کر حصہ لے رہے ہیں۔

دجالی میڈیا نے اپنے مذموم اہداف کو کامیابی سے پانے کیلئے معاشرے کے جن طبقات پر خصوصی محنت کی ہے، اُن میں خواتین کا طبقہ سرِ فہرست ہے۔ خواتین اپنی فطری سادگی اور میڈیا کی عیاریوں سے ناواقف ہونے کی بناء پر بہت جلد اُس رنگا رنگ جال میں پھنس جاتی ہیں جو یہود و نصاریٰ نے اُن کے لیے پھیلایا ہے اور یہ شکار ایسا ہے کہ جس کے ہاتھ آجانے کے بعد مسلمانوں کے صرف گھر ہی نہیں، نسلیں اجاڑنا بھی آسان ہو جاتا

ہے۔ یہ ایک اجمالی اشارہ ہے، جس کی تفصیل بہت ہی المناک، کربناک اور افسوسناک ہے۔

میڈیا کے مسلسل پروپیگنڈے نے یہ عجیب وغریب فلسفہ مخصوص خواتین کے ذہنوں پر مسلط کر دیا ہے کہ عورت اگر اپنے گھر میں اپنے اور اپنے شوہر، اپنے ماں باپ، بہن بھائیوں اور اولاد کے لیے خانہ داری کا انتظام کرے تو یہ قید وذلت ہے......لیکن وہی عورت اجنبی مردوں کے لیے کھانا پکائے، ان کے کمروں کی صفائی کرے، ہوٹلوں اور جہازوں میں ان کی میزبانی کرے، دکانوں پر اپنی مسکراہٹوں سے گاہکوں کو متوجہ کرے اور دفاتر میں اپنے افسروں کی نازبرداری کرے، تو یہ ''آزادی اور اعزاز'' ہے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون۔

میڈیا ہی نے اپنے غلیظ پروپیگنڈے سے ایسے لوگ تیار کیے جن کے بارے میں حفیظ جالندھری مرحوم نے کہا تھا:

اب مسلمانوں میں بھی نکلے ہیں کچھ روشن خیال
جن کی نظروں میں حجاب صنف نازک ہے وبال
چاہتے ہیں بیٹیوں، بہنوں کو عریاں دیکھنا
محفلیں آباد لیکن گھر کو ویراں دیکھنا

ایسے حالات میں کون سوچ سکتا ہے کہ ایک ایسا رسالہ جو فلموں، ڈراموں کی معلومات کی جگہ خالص قرآن وسنت پر مبنی دینی تعلیمات پر مشتمل ہو، جس کے صفحات رنگین تصاویر

کے بجائے صرف سیرت طیبہ کے حسین واقعات سے جگمگا رہے ہوں اور جو امت مسلمہ کی ماؤں، بہنوں اور بیٹیوں کو کفار کی نقالی کے بجائے اُن کے برے طریقوں سے نفرت اور بے زاری کا سرِ عام درس دیتا ہو، وہ نہ صرف کامیابی سے اپنا سفر جاری رکھے ہوئے ہوگا بلکہ ترقی کی راہوں پر بھی گامزن ہوگا۔

بے شک تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کیلئے ہی ہیں جس نے آج سے تقریباً 24 سال پہلے حضرت امیر المجاہدین مولانا محمد مسعود ازہر حفظہ اللہ تعالیٰ کے دل میں یہ بات ڈالی کہ امت مسلمہ کی ٹوٹتی اور بکھرتی بچیوں کو گمراہی کے تیز و تند طوفان سے بچانے کیلئے ایک اصلاحی رسالہ یا دوسرے لفظوں میں ایک دینی، اسلامی اور نظریاتی میگزین اور ڈائجسٹ کا اجراء کیا جائے۔

ایک ایسا رسالہ جو ہر ماہ پابندی سے مسلمان گھرانوں تک دینِ حق کی روشنی پہنچائے۔ اس کے صفحات پر شائع ہونے والے قیمتی مضامین ایک طرف مسلمان خواتین کو قرآن و سنت کے ابدی سرچشموں سے فیض یاب کریں تو دوسری طرف اس کی تحریریں دورِ حاضر میں ایک مسلمان خاتون کو پیش آنے والے تمام مسائل کا حل بھی پیش کریں۔

یہ رسالہ مسلمان ماؤں، بہنوں اور بیٹیوں کو اُن کے مبارک، منور اور معطر ماضی سے جوڑتے ہوئے اُنہیں موجودہ دور میں دینی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کے لیے واضح راہنمائی مہیا کرے۔ یہ رسالہ اہل باطل کے پھیلائے ہوئے وساوس اور گمراہ طبقات کی فکری یلغار کا مقابلہ کرتے ہوئے اپنی قاریات تک اہل حق کے افکار پہنچائے۔

یہ رسالہ مسلمان خواتین کے لیے صرف ایک رسمی ڈائجسٹ نہ ہو بلکہ یہ انہیں غازیانِ صف شکن کے پیغام، شہداءِ اسلام کے معطر لہو کی مہک اور دنیا بھر کے مظلوم مسلمانوں کے جذبات سے بھی آگاہ کرے۔

برادرِ عزیز مولانا محمد مقصود احمد شہیدؒ کی خوش قسمتی اور اعزاز کہ جب اس رسالے کی اشاعت کا فیصلہ ہوا تو حضرت کی نگاہِ انتخاب اُنہی پر آ کر ٹھہری اور اس سلسلے کے عملی انتظامات انہوں نے سنبھال کر کام شروع کر دیا۔ آج وہ اپنے رب کے دربار میں حاضر ہو چکے ہیں لیکن مجھے یقین ہے کہ یہ رسالہ یقیناً اُن کیلئے صدقۂ جاریہ بن کر اُن کی نیکیوں میں اضافے کا ذریعہ ثابت ہوگا۔ رسالے کے ابتدائی شمارے انہوں نے جس لگن، شوق اور ولولے سے تیار کئے، میں اس کا چشم دید گواہ ہوں اور زندگی کے وہ حسین مناظر کبھی نظروں سے اوجھل نہیں ہوں گے' جب وہ ہر ماہ بڑی بے تکلفی سے مختلف مضامین لکھنے کا حکم صادر کر دیا کرتے تھے اور جب تک وہ مضامین اُنہیں مل نہ جاتے' تب تک خود آرام سے بیٹھتے نہ ہی مجھے بیٹھنے دیتے۔

دعا کریں کہ دینِ اسلام کا یہ خاموش داعی ......اہل حق کا یہ ترجمان ......خوبصورت تحریروں کا یہ گلدستہ......رشد و ہدایت کا یہ چراغ اور ہزاروں مسلمان بہنوں کی دعاؤں کا یہ ثمر، پہلے سے بڑھ کر ترقی کی راہوں پر گامزن رہے اور اس کی منور کرنوں سے مسلمان گھرانوں میں ہدایت کے اُجالے پھیلتے رہیں (آمین ثم آمین)۔

والسلام

محمد منصور احمد عفا اللہ عنہ

امیر المجاہدین حضرت مولانا محمد مسعود ازہر حفظہ اللہ تعالیٰ

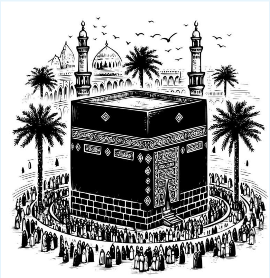

مُسلمان جِیت رہا ہے

اللہ تعالیٰ نئے ہجری سال کو ہم سب کے لئے ’’مبارک‘‘ بنائے......خیر والا، برکت والا، نور والا، نصرت والا، فتوحات والا اور ہدایت والا...... اور ہمیں اس سال کے تمام شرور سے اپنی پناہ اور حفاظت عطاء فرمائے......

سال کا نام

جو نیا ہجری، قمری، اسلامی سال شروع ہوا ہے......اس کا نام ہے سن ۱۴۴۸ ہجری......یعنی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ جو ہجرت فرمائی تھی ...... اس ہجرت کو چودہ سو سینتالیس سال پورے ہوئے ...... اور چودہ سو اڑتالیسواں سال شروع ہو گیا...... یا اس طرح کہہ سکتے ہیں کہ چودہ صدیاں پوری ہوئیں......اور پندرہویں صدی کا بھی

اڑتالیسواں سال شروع ہوگیا……

سبحان اللہ! ہجرت، ہجرت، ہجرت……

جی ہاں! ہجرت ایک مسلمان کے لئے شکست نہیں بلکہ فتح کا دروازہ ہے……ہجرت سے ایمان اُبھرتا ہے، ہجرت سے جہاد کھڑا ہوتا ہے……ہجرت سے زمین کھلتی ہے……ہجرت سے فتوحات آتی ہیں……آج بھی مسلمانوں میں ہجرت زندہ ہے……جہاد زندہ ہے……

پندھوریں صدی آدھی گذرنے کو ہے……مگر قرآن بالکل وہی کا وہی ہے…… اسلام بالکل اپنی اصلی حالت پر محفوظ ہے…… اسی لئے کہتا ہوں کہ……مسلمان جیت رہا ہے…… مسلمان جیت رہا ہے……

سال کی مختصر تفصیل

مسلمانوں کا سال ''قمری'' ہوتا ہے…… یعنی اس کا تعلق ''چاند'' کے ساتھ ہے……سورج کے ساتھ نہیں……قمری سال تقریباً تین سو پچپن دنوں کا ہوتا ہے……یعنی شمسی سال سے تقریباً دس دن چھوٹا…… اسلامی قمری سال کے پہلے مہینے کا نام ''محرم الحرام'' اور آخری مہینے کا نام ''ذوالحجہ'' ہے……اسلامی سال کے بارہ مہینوں میں سے چار مہینے زیادہ احترام اور حرمت والے ہیں……

پہلا مہینہ محرم اور آخری مہینہ ذوالحجہ بھی ……حرمت والے چار مہینوں میں شامل ہیں ……اسلامی تاریخ مغرب کے وقت سے شروع ہوتی ہے……یعنی اذان سے اس کا آغاز ہوتا ہے…… اسلامی سال کبھی گرمیوں میں شروع ہوتا ہے کبھی سردیوں میں ……

کبھی خزاں میں کبھی بہار میں ...... جبکہ شمسی سال ہمیشہ سردیوں میں شروع ہوتا ہے......

حضرات خلفاء راشدین بڑے باذوق اور ''ملهم من الله'' تھے......

جب اسلامی سال کی ترتیب شروع کرنے کا مشورہ ہوا تو...... حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے مشورے کو ترجیح دی...... اور اسلامی تاریخ کا آغاز حضور اقدس ﷺ کی ہجرت سے فرمادیا...... اس میں یہ بات سمجھائی گئی کہ...... ہجرت جو کہ بظاہر ایک شکست نظر آتی ہے حقیقت میں بڑی فتح ہے...... ظاہری طور پر ہجرت میں یہ نظر آتا ہے کہ...... آپ دشمنوں کے ہاتھوں مجبور ہو کر اپنا وطن چھوڑ آئے ...... اپنا گھر، اپنا مال سب دشمنوں کے ہاتھوں میں دے آئے...... آپ بے وطن اور بے سہارا ہو گئے...... آپ بے گھر اور بے آسرا ہو گئے...... مگر حقیقت میں ایسا نہیں ہوتا...... ہجرت ایک مسلمان کو بہت بلند کر دیتی ہے...... اسے آسودہ حال اور بامقام بنا دیتی ہے...... اس کے لئے فتوحات کے دروازے کھول دیتی ہے...... اور اس کے سابقہ سارے گناہ معاف کرا دیتی ہے......

ہجرت رہے گی تو مسلمانوں میں جہاد رہے گا...... ہجرت ختم تو بہت کچھ ختم...... اللہ تعالیٰ آپ کو اگر موقع دے تو ان آیات مبارکہ اور ان احادیث کو پڑھ لیجئے جو ہجرت کی فضیلت میں وارد ہوئی ہیں...... یقیناً آپ کی آنکھیں کھل جائیں گی......

ہجرت دراصل غیرت کا دوسرا نام ہے...... مسلمان ایسی جگہ رہنا گوارہ نہیں کرتا جہاں اسلام مغلوب ہو، جہاں اسلامی شعائر پر پابندی ہو...... ایسی جگہ مسلمان یا تو مزاحمت کرتا ہے......

اور اگر مزاحمت کی طاقت نہیں پاتا تو وہاں سے ہجرت کر جاتا ہے……

کیونکہ اسلام کو مغلوب دیکھنا اور اسلامی شعائر کے خلاف سمجھوتہ کرنا یہ مسلمان کے بس میں نہیں ہے…… چنانچہ وہ اپنا سب کچھ چھوڑ کر دوسری زمین کی طرف چلا جاتا ہے…… تاکہ وہاں قوت اور ٹھکانہ پا کر…… جہاد کے لئے خود کو تیار کرے اور پھر اپنی سرزمین پر اسلام کے غلبے کے لئے جنگ کرے……ابھی جب نیا سال سن ۱۴۴۸ ہجری شروع ہوا تو بندہ نے ایک مختصر مکتوب جاری کیا جس میں یہ بھی لکھا کہ……مسلمان جیت رہا ہے…… تب کئی افراد نے حیرت کا اظہار کیا…… اور برما کی مثال پیش کر کے پوچھا کہ……کیا برما میں بھی مسلمان جیت رہا ہے؟……

جی ہاں برما میں بھی مسلمان جیت رہا ہے……اگر برما کا مسلمان اپنا گھر بچانے کے لئے……نعوذ باللہ اسلام کو چھوڑ دیتا…… اپنی جان بچانے کے لئے ’’بدھ مت‘‘ کا مذہب اختیار کر لیتا……حکومتی عہدے اور امن حاصل کرنے کے لئے دین اسلام سے ہٹ جاتا تو پھر ہم کہہ سکتے تھے کہ……مسلمان ہار رہا ہے……مگر برمی ماں، بہن، بیٹی نے…… اسلام کو سینے سے لگائے رکھا…… برما کے بزرگوں اور نوجوانوں نے اپنے دین پر کوئی سمجھوتہ نہیں کیا……انہوں نے مسلمان ہونے کی سزا کو خندہ پیشانی سے برداشت کیا……تو پھر ہم کیوں نہ کہیں کہ برما کا مسلمان بھی جیت رہا ہے……

آج اگر یہ جملہ کہنے والا میں اکیلا ہوں تو دیکھ لینا آگے چل کر ان شاء اللہ……ساری دنیا کہے گی کہ برما کا مسلمان جیت رہا ہے……مسلمان کا اسلام پر رہنا اس کی جیت ہے……

مسلمان کا ہجرت پر آنا اس کی جیت ہے...... مسلمان کا جہاد پر کھڑا ہونا اس کی جیت ہے...... مسلمان کا جہاد میں شہید ہونا اس کی جیت ہے...... مسلمان کی جیت اور ہار کا بس ایک ہی معیار ہے...... مسلمان اگر ایمان پر رہے اور ایمان کا تقاضا پورا کرے تو وہ جیت گیا...... اسے فتح مل گئی...... خواہ اس کی لاش کو پرندے نوچ رہے ہوں...... اور مسلمان اگر خدانخواستہ ایمان سے ہٹ جائے یا ایمان کے تقاضے پورے نہ کرے تو پھر اس کے لئے شکست ہے...... خواہ وہ...... امریکہ کا صدر یا برطانیہ کا وزیر اعظم بن جائے......

دیکھو قرآن مجید صاف فرما رہا ہے

وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ

تم ہی فاتح ہو...... اگر تم ایمان پر ہو......

مبارکباد دینے کا عمل

سنا ہے کہ سوشل میڈیا پر بحث چل نکلی ہے کہ...... نئے اسلامی سال کی مبارکباد دینا جائز ہے یا نہیں؟...... بندہ نے اپنے مکتوب میں ’’مبارکباد‘‘ نہیں دی تھی...... برکت کی دعاء دی تھی...... نیا مہینہ نیا سال مسلمانوں کو مبارک ہو...... برکت کی دعاء دینا بلا شبہ جائز بلکہ مستحسن ہے...... جبکہ نئے سال کی باقاعدہ ایک دوسرے کو مبارکباد دینا...... سنت سے ثابت نہیں...... لیکن چونکہ نیا سال نصیب ہونا ایک نعمت ہے تو ایسے موقع پر...... ایک دوسرے کو دعاء کی نیت سے کلمات تبریک کہنے میں کوئی حرج نہیں...... مگر اس کو باقاعدہ رسم نہ بنا لیا جائے......

دارالعلوم دیوبند سے لے کر...... جامعہ بنوری ٹاؤن تک کا یہی فتویٰ ہے......سوشل میڈیا برادری اپنی مکھی مار عادت کی وجہ سے......بس اسی طرح کی بحثوں میں الجھی رہتی ہے......عالم کفر نے اسلام اور مسلمانوں کو مٹانے کی ہر کوشش کر لی......اسلام کو بدلنے اور قرآن مجید میں تبدیلی لانے کے لئے...... ہزاروں ہوش ربا سازشیں بروئے کار لائی گئیں......مگر پندرھویں صدی میں بھی......حالت یہ ہے کہ......حضرت آقا مدنی ﷺ کی شان اقدس میں گستاخی کرنے والے......اپنے محفوظ قلعوں میں مارے جاتے ہیں......اور جو بچ جاتے ہیں وہ پوری زندگی خوف اور ذلت میں گذارتے ہیں......اور سوشل میڈیا جیسے کافرانہ محاذ تک میں حالت یہ ہے کہ......

ایک انڈین گویا اذان کے خلاف چند ٹوئیٹس کرنے پر ایسا گھبرایا کہ......اسے اپنا سر منڈوانا پڑا......

جی ہاں اسی لئے کہتا ہوں......اور بطور شکر کے عرض کرتا ہوں کہ...... پندرھویں صدی آدھی گذرنے کو ہے......اسلام اور مسلمانوں پر لاکھوں طوفان آئے اور گذر گئے......مگر آج بھی کعبہ شریف شان سے کھڑا ہے......اسلام مسکرا رہا ہے اور مسلمان جیت رہا ہے......

لا الہ الا اللہ، لا الہ الا اللہ، لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

اللھم صل علی سیدنا محمد والہ وصحبہ وبارک وسلم تسلیما کثیرا کثیرا

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

6

محمد منصور احمد

جامع، مستند، آسان

مختصر تاریخِ اسلام

سبق نمبر 21

دوسرا حصہ

اموی سلطنت

اموی عہدِ حکومت (41ھ-132ھ/661ء-750ء)

حضرت معاویہؓ بن ابی سفیان 41-60ھ/661-680ء	یزید بن معاویہ (یزید الاول) 60-64ھ/680-683ء	معاویہ بن یزید (معاویہ الثانی) 64ھ / 684ء
مروان بن الحکم 64-65ھ/683-685ء	عبدالملک بن مروان 65-86ھ/685-705ء	الولید بن عبدالملک (الولید الاول) 86-96ھ/705-715ء
الولید بن عبدالملک (الولید الاول) 86-96ھ/705-715ء	عمر بن عبدالعزیز 99-101ھ/717-720ء	یزید بن عبدالملک (یزید الثانی) 101-105ھ/720-724ء
ہشام بن عبدالملک 105-125ھ/724-743ء	الولید بن یزید الثانی (الولید الثانی) 125-126ھ/743-744ء	یزید بن الولید الاول (یزید الثالث) 126ھ/744ء
مروان بن محمد 127-132ھ/744-750ء		

پہلا باب

سلطنتِ بنی امیہ کا قیام

حضرت حسنؓ کی حضرت معاویہؓ کے لیے دستبرداری

حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد خلافت کے لیے اُن کے بیٹے حضرت حسنؓ

سے بیعت کی گئی۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے شام کی طرف لشکر کشی کا سوچا، تاکہ حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ سے جنگ کریں۔ لیکن بعد میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے اپنا فیصلہ تبدیل کرلیا اور تقریباً چھ ماہ خلافت کرنے کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں حکومت کے لیے دستبردار ہوگئے۔

پھر سن اکتالیس (41) ہجری میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو مسلمانوں کا خلیفہ مقرر کیا گیا جس پر تمام اہلِ اسلام متفق تھے سوائے چند افراد کے۔ اس سال کو ”عام الجماعۃ“ (اجتماعیت و اتفاق کا سال) کا نام دینے پر تمام مؤرخین کا اتفاق ہے؛ کیونکہ اس سال سب مسلمانوں نے ایک ہی خلیفہ یعنی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر اتفاق کرلیا تھا۔

سوالات جن کے جوابات آپ گزشتہ عبارت پر غور کرکے دے سکتے ہیں:

(1) بنو امیہ کے امراء کے نام بتائیں اور یہ بھی بتائیں کہ ہر ایک نے کتنی مدت بطورِ امیر المؤمنین کے گزاری؟

(۲) حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے خلافت سے تنزل و دست برداری کیوں اختیار کی؟

(۳) سال ۴۱ ہجری کو ”عام الجماعۃ“ (اجتماعیت کا سال) کیوں کہا گیا؟

حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما
(۴۱ھ-۶۰ھ/۶۶۱ء-۶۸۰ء)

حضرت معاویہ بن ابی سفیان بن حرب رضی اللہ عنہ بعثت نبوی سے پانچ سال پہلے مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے۔ آپ اور آپ کے خاندان نے فتح مکہ کے سال یعنی ہجرات کے آٹھویں سال اسلام قبول کیا، آپ کے والد ابوسفیان صخر بن حرب رضی اللہ عنہ اور والدہ ہند بنت عتبۃ

بن ربیعہؓ ہیں، اور آپ کے بھائی یزید بن ابی سفیانؓ ہیں۔

پہلے گزر چکا ہے کہ حضرت علی بن ابی طالبؓ اور حضرت معاویہ بن ابی سفیانؓ کے درمیان اختلافات کا انجام کیسے تحکیم، خلافت سے معزول ہوجانے کے مطالبہ اور خوارج جن میں سے ایک (عبدالرحمن بن ملجم) نے حضرت علیؓ کو شہید کردیا، کے ظہور پر ہوا۔

حضرت معاویہؓ کے دورِ حکومت کا آغاز

تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی حکمت وبصیرت، حلم و بردباری اور صبر کے ذریعہ مشکلات اور آندھیوں وطوفانوں کا مقابلہ کرتے ہوئے کس طرح اپنے اقتدار کی بنیادیں مضبوط کیں۔

حضرت معاویہؓ نے اپنی حکومت کے استحکام کے لیے کچھ مضبوط افراد کی مدد لی۔ ان میں سے کچھ نمایاں افراد یہ ہیں: حضرت عمرو بن العاصؓ، حضرت مغیرہ بن شعبہؓ اور زیاد بن ابیہ۔

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت اُمّ حبیبہ رملہ بنت ابی سفیانؓ سے نکاح فرمایا، جو حضرت معاویہؓ کی بہن تھیں۔ حضرت معاویہ بن ابی سفیانؓ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے وحی لکھنے والے گنے چنے افراد میں سے تھے۔

حضرت یزید بن ابی سفیانؓ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے دورِ خلافت میں اور اسی طرح حضرت عمر بن خطابؓ کے دور میں شام کے لشکر قیادت کی۔ جب یزید سن ۱۸ھ میں طاعونِ عمواس میں وفات پا گئے، تو حضرت عمرؓ نے حضرت معاویہؓ کو اپنے بھائی کی جگہ شام کا حاکم مقرر فرمایا۔ شہادتِ عثمانؓ کے بعد حضرت معاویہؓ نے حضرت عثمانؓ کے خون کے بدلے کے لیے بنی امیہ کی جماعت کی قیادت سنبھالی۔

تمام مؤرخین کا حضرت معاویہؓ کے حلم و بردباری اور سیاسی بصیرت پر اتفاق ہے، اور یہ بات بھی یقینی ہے کہ ایک طویل عرصہ شام کی حکومت میں گزارنے کی وجہ سے انہیں اپنی سلطنت مستحکم کرنے اور مضبوط فوج تیار کرنے کا موقع مل گیا۔

حضرت معاویہؓ نے اپنے لیے ایک محل بنایا جس کا نام "الخضراء" تھا، اور اپنی حفاظت کے لیے محافظ و پولیس رکھی۔ انہوں نے اپنی حفاظت کے لیے ایک حجرہ بنوایا تاکہ نماز کے دوران محفوظ رہیں، یہ حجرہ خوارج کی طرف سے ہونے والی قتل کی کوشش کے بعد بنوایا۔

سوالات جن کے جوابات آپ گزشتہ عبارت پر غور کر کے دے سکتے ہیں:

(1) حضرت معاویہؓ کہاں اور کب پیدا ہوئے؟

(2) کس وقت اللہ تعالی نے ان کا دل اسلام کے لیے کھولا؟

(3) حضرت معاویہؓ نے اپنے اقتدار کو کس طرح مضبوط کیا؟

(4) حضرت معاویہؓ نے اپنے حکومتی ستون مضبوط کرنے میں کس سے مدد لی؟

(5) حضرت معاویہؓ نے اسلام کی کس طرح خدمت کی؟

(6) کس نے حضرت معاویہؓ کو شام کا حکمران مقرر کیا اور اس وقت حالات کیسے تھے؟

(7) مضبوط فوج بنانے میں کس چیز نے حضرت معاویہؓ کی مدد کی؟

(8) حضرت معاویہؓ نے اپنی حفاظت کے لیے کیا اقدامات کیے؟

حضرت معاویہؓ کے اہم کارنامے

حضرت معاویہؓ نے دمشق کی مخصوص جغرافیائی اہمیت کی وجہ سے اسے دار الخلافہ بنایا۔ انہوں نے "دیوانِ خاتَم" (سرکاری مُہر کا محکمہ) قائم کیا اور ڈاک کا نظام ایجاد کیا تاکہ

تمام شہروں کی خبریں ان تک پہنچ سکیں۔

حضرت مغیرہ بن شعبہؓ صحابی تھے، قبیلہ ثقیف سے تعلق رکھتے تھے، فتوحات کے شوقین ہونے میں مشہور تھے، یہاں تک کہ یرموک کی جنگ میں ان کی ایک آنکھ بھی ضائع ہوگئی تھی۔ کئی بار بصرہ اور کوفہ کے گورنر رہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت معاویہؓ اور حضرت علیؓ کے درمیان جنگ کے دوران حضرت مغیرہ بن شعبہؓ اس فتنہ سے الگ تھلگ رہے، لیکن جب حضرت معاویہؓ کی خلافت مستحکم ہوگئی، تو انہوں نے حضرت مغیرہؓ بلایا؛ تاکہ انہیں اپنے ساتھ ملا کر ان کی مہارت اور تجربہ سے فائدہ اُٹھا سکیں۔ حضرت معاویہؓ نے حضرت مغیرہؓ کو سن ۴۲ ہجری میں کوفہ کا والی مقرر کیا۔

زیاد بن ابیہ کو حضرت معاویہؓ نے سن ۴۵ھ میں بصرہ کا والی بنایا۔ زیاد کو ساتھ ملانے میں حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کا اہم کردار تھا، جب حضرت معاویہؓ کو یہ علم ہوا کہ زیاد ان کا بھائی ہے تو اس کا نام زیاد بن سفیان رکھ دیا بجائے زیاد بن ابیہ اور زیاد بن سمیہ (جو ان کی والدہ کا نام تھا) کے۔ (اس بات کی تفصیل کے لیے "حضرت معاویہؓ اور تاریخی حقائق" مؤلفہ حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کا مطالعہ مفید ہے"

جب سن 50ھ میں طاعون سے حضرت مغیرہؓ کا انتقال ہوا تو حضرت معاویہؓ نے زیاد کو کوفہ کا والی مقرر کیا جو سن 53ھ تک، یعنی اپنی وفات تک اس عہدے پر فائز رہے۔

زیاد نے حضرت معاویہؓ کی سلطنت کو مضبوط کرنے، اپنے علاقوں میں نظم وضبط قائم کرنے اور کوفہ و بصرہ میں شیعہ اور خوارج کا خاتمہ کرنے میں بڑا اہم کردار ادا کیا۔

حضرت عمرو بن العاصؓ کو حضرت معاویہؓ نے مصر کا والی مقرر کیا اور تاحیات ان

کے حق میں مصر کی حکومت کی وصیت کی۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت معاویہؓ حضرت عمرو بن العاصؓ کا دل سے احترام کرتے تھے اور ان کی بیدار مغزی اور بصیرت کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ حضرت عمرو بن العاصؓ حضرت معاویہؓ کی طرف سے مصر کے گورنر صرف دو سال رہے؛ کیونکہ سن 43ھ میں ان کی وفات ہوگئی۔

اس کے بعد حضرت معاویہؓ ان فتوحات کی طرف متوجہ ہوئے جو فتنہ کی وجہ سے رکی ہوئی تھیں۔

سوالات جن کے جوابات آپ گزشتہ عبارت پر غور کر کے دے سکتے ہیں:

(1) حضرت معاویہؓ نے دمشق کو خلافت کا دارالحکومت کیوں بنایا بجائے مدینہ یا کوفہ کے؟

(2) دیوانِ خاتم کا مقصد کیا تھا؟

(3) حضرت معاویہؓ نے کون سا نظام ایجاد کیا اور کیوں؟

(4) حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کی کچھ خصوصیات ذکر کریں۔

(5) حضرت معاویہؓ نے حضرت مغیرہؓ کی مہارت سے کیوں مدد لی؟

(6) زیاد بن ابیہ نے حضرت معاویہؓ کی خلافت میں کیا کردار ادا کیا؟

(7) زیاد بن ابیہ کب وفات پائے؟

(8) حضرت عمرو بن العاصؓ نے معاویہؓ کی حکومت مضبوط کرنے میں کیا کردار ادا کیا؟

(9) حضرت معاویہؓ کا حضرت عمرو بن العاصؓ کے بارے میں کیا موقف تھا؟

حضرت معاویہؓ کے دور کی فتوحات

جب حضرت معاویہؓ کا اقتدار مستحکم ہوگیا، تو آپؓ نے جہاد اور فتوحات مسلسل جاری رکھیں، جس سے ریاست کا دائرہ وسیع ہو گیا۔ سن 38 ھ میں حضرت معاویہؓ نے مصر پر حضرت عمرو بن العاصؓ کو والی مقرر کیا اور افریقہ کی فتح پر سنجیدگی سے غور کیا اور فوج بھیج دی، لیکن جلد ہی سن 44 ھ میں حضرت عمرو بن العاصؓ کی وفات پر حضرت معاویہؓ نے حضرت عقبہ بن عامر الجہنیؓ کو مصر کا والی مقرر کر دیا اور حضرت عبداللہ بن عمروؓ کو معزول کر دیا۔ اور افریقہ کی فتح کی ذمہ داری حضرت معاویہ بن حُدَیجؓ کے سپرد کی۔ انہوں نے اہلِ روم اور اہلِ افریقہ کے درمیان جاری تصادم کا فائدہ اُٹھاتے ہوئے سن 45 ھ میں افریقہ پر حملہ کر دیا، رومیوں کو ابنِ حُدَیجؓ کی آمد کا علم ہوا تو ایک بڑی فوج بھیج دی جس کی قیادت نقفور کر رہا تھا۔ دونوں افواج کا سامنا ہوا۔ مسلمانوں کی فوج کی تعداد دس ہزار تھی جبکہ رومی تیس ہزار تھے، لیکن رومی شکست کھا کر پیچھے ہٹ گئے۔

ابنِ حُدَیجؓ نے افریقہ کے داخلی علاقوں کے لیے عبدالملک بن مروان کو تعینات کیا، لیکن اس وقت عبدالملک کی عمر صرف انیس سال تھی اور فتح کا تجربہ نہ ہونے کی وجہ سے وہ جلد ہی اپنی مہم میں ناکام ہو کر واپس دمشق لوٹا۔

ابنِ حُدَیجؓ نے شمال کی طرف تیزی سے بڑھتے ہوئے بنزرت، رودس اور صقلیہ فتح کر لیا۔ افریقہ کی عظیم فتح کا سہرا حضرت عقبہ بن عبد قیسؓ کے سر جاتا ہے، جو رسول ﷺ کی ہجرت سے ایک سال قبل پیدا ہوئے تھے۔ حضرت عقبہؓ نے لواتہ اور ہوّارہ قبائل کو فتح کیا۔

بعد میں حضرت معاویہؓ نے حضرت عقبہؓ کو افریقہ کی فوج کا سربراہ مقرر کر دیا اور سن

49ھ میں انہوں نے قیروان شہر کو اس لیے مختص کر دیا کہ وہاں مسلمانوں کے لشکر، ان کے اہل و عیال اور مال و اسباب رہیں تا کہ مقامی عوام کی بغاوت کا خطرہ ختم ہو جائے۔ زیادہ وقت نہ گزرا تھا کہ حضرت معاویہؓ سن ۵۱ھ میں حضرت عقبہؓ کو افریقہ سے برطرف کر دیا اور ان کی جگہ ابوالمھاجر بن دینار کو مقرر کر دیا۔

سوالات جن کے جوابات آپ گزشتہ عبارت پر غور کر کے دے سکتے ہیں:

(1) افریقہ میں جہاد کے بارے میں سب سے پہلے کس نے سوچا؟

(2) حضرت معاویہؓ کے دور میں افریقہ کی فتح کا خلاصہ بیان فرمائیں۔

(3) اندرونِ افریقہ میں عبدالملک بن مروان کا حملہ ناکام کیوں ہوا؟

(4) افریقہ کی عظیم فتح کا سہرا کس کے سر جاتا ہے؟

(5) قیروان شہر (کو مسلمانوں کے لیے) کس نے مخصوص کیا؟ اور کیوں؟

(6) حضرت عقبہؓ کو کب برطرف کیا گیا اور ان کی جگہ کس کو والی مقرر کیا گیا؟

خلافت کو اولاد کے سپرد کرنا

حضرت معاویہؓ اپنی بالغ نظری اور دقیقہ رس نگاہ سے یہ سمجھا کہ حکومت کے لیے مقابلہ بازی مسلمانوں کے درمیان اختلاف اور انتشارِ رائے کا سبب ہے۔ اس لیے انہوں نے اپنے بیٹے یزید کے لیے بیعت لینے کا فیصلہ کیا۔ یہاں سے مسلمانوں کا یہ طریقہ تبدیل ہو گیا کہ وہ اپنا حاکم باہمی مشورہ سے طے کرتے تھے، اور وہ ایسے شخص کو خلیفہ منتخب کرتے جو اس کا اہل ہوتا تھا۔ حضرت معاویہ بن ابی سفیانؓ نے مدینہ منورہ میں اپنے گورنر مروان بن حکم کو خط لکھا جس میں کہا:

”میری عمر بڑھ گئی ہے اور ہڈیاں کمزور ہوگئی ہیں، مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں میری وفات کے بعد امت میں اختلاف پیدا نہ ہوجائے۔ میں نے سوچا کہ میں اُس شخص کا انتخاب کردوں جو میرے بعد امت کی قیادت کرے۔ میں نہیں چاہتا کہ کوئی یقینی فیصلہ تمہارے مشورے کے بغیر کروں، لہٰذا اسے لوگوں کے سامنے پیش کرو اور مجھے ان کی رائے سے آگاہ کرو۔“

جب مروان نے یہ معاملہ لوگوں کے سامنے رکھا تو لوگوں میں شدید ہنگامہ برپا ہوا۔ حضرت عبدالرحمن بن ابوبکرؓ نے کہا: ”تم امتِ محمدیہ ﷺ کا اختیار ختم کرنا چاہتے ہو، بلکہ خلافت کو ہرقل کی بادشاہت کی طرح بنانا چاہتے ہو، یعنی جب ایک ہرقل فوت ہوجائے تو دوسرا اس کی جگہ لے لے۔“

حضرت حسین بن علیؓ اور حضرت عبداللہ بن الزبیرؓ نے بھی اس پر اعتراض کیا۔ حضرت معاویہؓ نے مسلمانوں کو یہ باور کرانے کے لیے کہ یزید اس کام کے لیے اہل اور کافی ہے، اسے فوجی مہم میں شامل کردیا جو انہوں نے قسطنطنیہ فتح کرنے کے لیے تیار کی تھی۔ حضرت معاویہؓ کی فوج چھوٹے ایشیا (اناطولیہ) سے ہوتے ہوئے قسطنطنیہ تک جا پہنچی اور اس کا محاصرہ کرلیا، لیکن اس کے مضبوط قلعوں کی وجہ سے فتح نہ کرسکی۔

عجیب بات یہ ہے کہ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ جو کوفہ کے والی تھے، یزید کے لیے بیعت لینے میں انتہائی پُرجوش تھے، وہ دمشق حضرت معاویہؓ کے پاس گئے اور ان سے کہا: ”میں کوفہ والوں کی طرف سے کافی ہوجاؤں گا اور زیاد بصرہ والوں کے لیے کافی ہوجائے گا، ان دوشہروں کے بعد مصر میں کوئی آپ مخالفت نہیں کرے گا۔“

زیاد بن ابیہ نے حضرت معاویہؓ کو نصیحت کی کہ اس معاملے میں جلدی نہ کریں، لیکن

تھوڑے ہی عرصے بعد زیاد کا انتقال ہو گیا۔ حضرت معاویہؓ نے حجاز کے رہنے والوں کے موقف کی جو اُن کے بیٹے یزید کی بیعت سے انکار کر رہے تھے پرواہ نہیں کی، اور تمام صوبوں کے گورنروں کو حکم دیا کہ وہ یزید کے لیے بیعت طلب کریں اور بیعت پر موافقت کی اطلاع کے لیے ان کے پاس دمشق وفود بھیجیں۔

اس موقع پر حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا موقف کیا تھا؟

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے ایک وفد کے ساتھ دمشق کا سفر کیا اور حضرت معاویہؓ کے ہاتھ پر بیعتِ خلافت کی، اور اس بات سے بھی نہیں رُکے کہ وہ قسطنطنیہ کے جہاد کے موقع پر یزید کی قیادت میں مسلمانوں کی فوج کے ساتھ شامل ہوں، جس میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت ابوایوب انصاریؓ بھی شامل تھے۔ لیکن حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اس بات کے لیے مدینہ چھوڑنے سے انکار کر دیا کہ دمشق جا کر یزید بن معاویہ سے بیعت کریں۔

خوارج جنھوں نے حضرت معاویہؓ کا مقابلہ کیا، ان کا نام "خوارج" اس لیے رکھا گیا؛ کیونکہ وہ حضرت علیؓ کی خلافت کے خلاف نکل آئے تھے اور "تحکیم" کے دن ان کے پرچم کے نیچے شامل ہونے سے انکار کر دیا تھا، اور اجتماعی زندگی سے الگ تھلگ ہو گئے تھے۔

خوارج کا مشہور رہنما فرقہ ازارقہ کا بانی ابوراشد نافع بن ازرق تھا، جس نے اپنے پیروکاروں کے ساتھ اہواز، فارس اور کرمان پر قبضہ کر لیا اور مسلمانوں سے الگ تھلگ ہونے کا اعلان کر دیا، اور مسلمانوں کے ساتھ نماز پڑھنے، ان کا ذبیحہ کھانے اور ان کے ساتھ نکاح کرنے سے منع کر دیا۔

سوالات جن کے جوابات آپ گزشتہ عبارت پر غور کر کے دے سکتے ہیں:

(1) حضرت معاویہؓ نے اپنے بیٹے یزید کے لیے بیعت کیوں لی؟

(2) حضرت معاویہؓ نے مروان کو کیا خط لکھا؟ اور کیوں؟

(3) حضرت معاویہؓ کے مطالبے پر لوگوں نے اس پر کیا ردعمل دیا؟

(4) حضرت معاویہؓ نے مسلمانوں کو یزید کی صلاحیت کے بارے میں قائل کرنے کے لیے کیا کیا؟

(5) حضرت مغیرہ بن شعبہؓ نے حضرت معاویہؓ کو کیا تجویز دی؟

(6) زیاد نے حضرت معاویہؓ کو کیا نصیحت کی؟

(7) حضرت معاویہؓ نے اہلِ حجاز کے موقف کے ساتھ کیا معاملہ کیا جو یزید کی بیعت کا انکار کر رہا تھا؟

(8) حضرت معاویہؓ کی بیعت کے بارے میں اور یزید کی بیعت کے بارے میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا کیا موقف تھا؟

(9) خوارج کون تھے؟

(10) خوارج کا مشہور رہنما کون تھا اور اس نے کس بات کی دعوت دی؟

حضرت معاویہؓ کا خوارج سے مقابلہ

حضرت معاویہؓ نے خوارج سے جنگ کرنے کا پختہ فیصلہ کر لیا، اُن کی طرف دو لشکروں کو روانہ کیا، اور کوفہ والوں کو بھی خوارج سے جنگ کرنے پر آمادہ کیا۔

سن ۴۳ ہجری میں حضرت مغیرہ بن شعبہؓ خوارج کی اجتماعیت توڑنے میں کامیاب ہو گئے، اور زیاد بن ابیہ نے بصرہ پر حکومت کے دوران ان کے رہنماؤں کا خاتمہ کر دیا۔

سن ۵۸ ہجری میں جب خوارج نے عبیداللہ بن زیاد کو کچھ کمزور محسوس کیا تو دوبارہ اپنا جتھہ اکٹھا کرلیا، عبیداللہ اپنی فوج لے کر ان پر ٹوٹ پڑا اور انہیں مکمل طور پر نیست و نابود کردیا۔

حضرت معاویہؓ کے دور میں دوسرا فرقہ جو بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ڑی تعداد میں تھا وہ شیعہ کہلاتا تھا۔

یہ شیعہ وہ لوگ تھے جنہوں نے حضرت علی بن ابی طالبؓ اور ان کے اہلِ بیت کی طرف داری کی اور ان کا کچھ دفاع کیا لیکن بعد میں انہوں نے اہلِ بیت کی تعلیمات سے منہ موڑ لیا اور اکابر صحابہؓ کو بُرا بھلا کہا۔ ان کا سب سے مشہور فرقہ سبائیہ (عبداللہ ابن سبا کی نسبت سے) اور فرقۂ توابین ہے۔

حضرت معاویہؓ کے عہد میں اسلامی بحریہ بھی بہت ترقی تک پہنچ گیا تھا؛ کیونکہ اس وقت ایک ہزار سات سو کشتیاں اس میں شامل تھیں۔

اللہ تعالیٰ حضرت معاویہ بن ابی سفیانؓ سے راضی ہو، ان خدمات کے صلے میں جو انہوں نے اسلام کے لیے انجام دیں۔ یقیناً انہوں نے ایک روشن اور ترقی یافتہ سلطنت کی بنیاد رکھی۔

سوالات جن کے جوابات آپ گزشتہ عبارت پر غور کر کے دے سکتے ہیں:

(1) حضرت معاویہؓ نے اپنے دورِ حکومت میں خوارج کا مقابلہ کیسے کیا؟

(2) خوارج کو کس نے مکمل ختم کیا اور کب؟

(3) شیعہ کون تھے؟

(4) حضرت معاویہؓ کے عہد میں اسلامی بحریہ کی کشتیوں کی تعداد کتنی تھی؟

(5) اپنے انداز میں حضرت معاویہؓ کے دورِ خلافت کا خلاصہ بیان کریں۔ (جاری ہے)

اُم ایمن

الحسن والحسين سيدا شباب أهل الجنة

(الترمذي، مسند احمد)

جنّتی نوجوانوں کے سردار

نواسۂ رسولﷺ، جگر گوشۂ بتولؓ سیدنا حسین بن علیؓ شخصیت و کردار

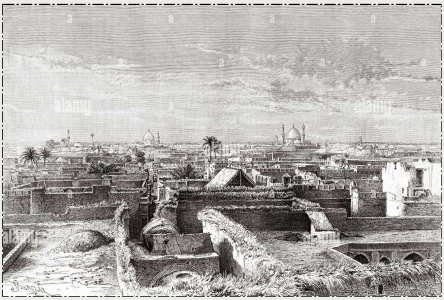

فضائل واحوال

نواسۂ رسول، شہیدِ کربلا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شخصیت محتاجِ تعارف نہیں ہے۔

آپ رضی اللہ عنہ خاتونِ جنت حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا اور شیرِ خدا خلیفۂ چہارم سیدنا حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے لختِ جگر اور نواسۂ پیغمبر علیہ السلام ہیں۔

مؤرخِ اسلام مولانا شاہ معین الدین ندوی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

"اس لحاظ سے آپ کی ذاتِ گرامی قریش کا خلاصہ اور بنی ہاشم کا عطر تھی۔"

(سیر الصحابہؓ: ۱/ ۱۳۱)

سیدنا حضرت فاطمہؓ کو حق تعالیٰ نے تین بیٹوں: حضرت حسن، حضرت حسین اور حضرت محسن رضی اللہ عنہم، اور دو بیٹیوں سیدہ زینبؓ اور سیدہ ام کلثومؓ سے نوازا۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ آپ کی اولاد امجاد میں دوسرے نمبر پر ہیں۔

نام ونسب

آپ کا اسمِ گرامی حسین، کنیت ابوعبداللہ اور " سيد شباب أهل الجنة" اور "ریحانۃ النبی" لسانِ نبوت سے ملے القاب ہیں۔ شجرۂ عالیہ یہ ہے:

"حسین بن علی بن اَبی طالب بن ہاشم القرشی الہاشمی۔" (البدایۃ والنہایۃ: ۸/ ۱۶۰)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد مبارک فرمایا:

"الْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ سَيِّدَا شَبَابِ أَهْلِ الْجَنَّةِ۔"

(سنن الترمذی:۳۷۶۸)

ترجمہ:''حسن اور حسین جنتی جوانوں کے سردار ہیں۔''

نیز ارشادِ نبوی ہے:

"عَنِ ابْنِ أَبِي نُعْمٍ، قَالَ: كُنْتُ شَاهِدًا لِابْنِ عُمَرَ، وَسَأَلَهُ رَجُلٌ عَنْ دَمِ الْبَعُوضِ، فَقَالَ: مِمَّنْ أَنْتَ؟ فَقَالَ: مِنْ أَهْلِ الْعِرَاقِ، قَالَ: انْظُرُوا إِلَى هٰذَا، يَسْأَلُنِي عَنْ دَمِ الْبَعُوضِ، وَقَدْ قَتَلُوا ابْنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَسَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: هُمَا رَيْحَانَتَايَ مِنَ الدُّنْيَا۔"

(صحیح البخاری، رقم:۵۹۹۴)

ترجمہ:''ابن ابی نعیمؒ روایت کرتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس موجود تھا، ایک شخص نے آپؓ سے مچھر کے خون کے بارے میں دریافت کیا (کہ اگر محرم کے لباس کو لگ جائے تو کیا حکم ہے؟) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اس سے پوچھا: تم کون ہو؟ اس نے کہا کہ: اہلِ عراق میں سے ہوں۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس شخص کو دیکھو! یہ مجھ سے مچھر کے خون کے بارے میں پوچھ رہا ہے، حالانکہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹے (نواسے) کو شہید کر ڈالا، میں نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ: یہ (حسن وحسین) دونوں میرے دنیا کے پھول ہیں۔''

پیدائش، نام اور ابتدائی حالات

باغِ نبوت کے پھول سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی ولادت سے قبل ہی بذریعہ خواب پیدائش کی بشارت دے دی گئی تھی، مستدرک للحاکم میں ہے:

"عَنْ أُمِّ الْفَضْلِ بِنْتِ الْحَارِثِ، أَنَّهَا دَخَلَتْ عَلَى رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ: يَا رَسُوْلَ اللهِ! إِنِّيْ رَأَيْتُ حُلْمًا مُنْكَرًا اللَّيْلَةَ، قَالَ: مَا هُوَ؟ قَالَتْ: إِنَّهٗ شَدِيْدٌ، قَالَ: مَا هُوَ؟ قَالَتْ: رَأَيْتُ كَأَنَّ قِطْعَةً مِنْ جَسَدِكَ قُطِعَتْ وَوُضِعَتْ فِيْ حِجْرِيْ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: رَأَيْتِ خَيْرًا، تَلِدُ فَاطِمَةُ إِنْ شَاءَ اللهُ غُلَامًا، فَيَكُوْنُ فِيْ حِجْرِكِ، فَوَلَدَتْ فَاطِمَةُ الْحُسَيْنَ فَكَانَ فِيْ حِجْرِيْ كَمَا قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَدَخَلْتُ يَوْمًا إِلَى رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوَضَعْتُهٗ فِيْ حِجْرِهٖ، ثُمَّ حَانَتْ مِنِّي الْتِفَاتَةٌ، فَإِذَا عَيْنَا رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تُهْرِيْقَانِ مِنَ الدُّمُوْعِ، قَالَتْ: فَقُلْتُ: يَا نَبِيَّ اللهِ، بِأَبِيْ أَنْتَ وَأُمِّيْ مَا لَكَ؟ قَالَ: أَتَانِيْ جِبْرِيْلُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ، فَأَخْبَرَنِيْ أَنَّ أُمَّتِيْ سَتَقْتُلُ ابْنِيْ هٰذَا فَقُلْتُ: هٰذَا؟ فَقَالَ: نَعَمْ، وَأَتَانِيْ بِتُرْبَةٍ مِنْ تُرْبَتِهٖ حَمْرَاءَ." (رقم الحدیث: ۴۸۱۸)

ترجمہ: "حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی زوجہ حضرت ام فضل رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ وہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کی: یارسول اللہ! رات

میں نے عجیب خواب دیکھا ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا: کیسا خواب ہے؟ عرض کی: بہت سخت۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا ہے وہ؟ عرض کی: میں نے دیکھا ہے کہ گویا آپ کے بدن کا کوئی ٹکڑا کٹ کر میری گود میں آگیا ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعبیر بیان فرمائی کہ تم نے اچھا خواب دیکھا ہے، فاطمہ کے ہاں بچہ پیدا ہوگا، وہ تمہاری گود میں ہوگا (تم اُسے دودھ پلاؤ گی)، چنانچہ حضرت فاطمہؓ کے ہاں حضرت حسین رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے، تو میری گود میں آئے، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا تھا۔ایک روز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور حسینؓ کو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں ڈال دیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں آنسوؤں سے رواں تھیں۔حضرت امِ فضلؓ نے عرض کی: اے اللہ کے نبی! میرے ماں باپ آپ پر قربان، آپ کو کیا ہوا ہے؟

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے پاس جبریل علیہ السلام آئے اور انہوں نے خبر دی کہ میری اُمت میرے اس بیٹے کو شہید کر دے گی۔میں نے عرض کی: کیا یہ بات ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ہاں! اور وہ میرے پاس اس کی (خون آلود) سرخ مٹی کا کچھ حصہ بھی لائے ہیں۔''

آپ کی تاریخِ پیدائش میں مؤرخین کے مختلف اقوال ہیں: تاریخ ابن کثیر میں ۳، ۴ اور ۶ ہجری کا قول درج ہے، جبکہ شاہ معین الدین ندویؒ نے ۴ ہجری اور مولانا منظور احمد نعمانی رحمہ اللہ نے ۵ ہجری لکھا ہے۔

سیدہ خاتونِ جنت رضی اللہ عنہا کی گود جب سبطِ رسول خوشبوئے نبوت سے مہکی تو آنحضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم بنفسِ نفیس تشریف لائے، اپنے نومولود کو اپنے دست مبارک میں اُٹھایا، گھٹی دی، لعابِ دہن منہ میں ڈالا اور خوب صورت نام "حسین" رکھا۔ (ابن کثیر: ۸/ ۱۶۰)

نیز رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے کان میں اذان دی اور ساتویں روز عقیقہ کیا۔ (مستدرکِ حاکم، رقم: ۴۸۲۷۔ المعجم الکبیر: ۹۲۶)

حضرت حسین رضی اللہ عنہ "خامس أهل الكساء" ہیں، یعنی ان پانچ مبارک شخصیات میں سے ہیں کہ آیتِ تطہیر اُترنے کے بعد جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیتِ تطہیر کے مصداق میں داخل اور شامل فرمایا۔ (اسد الغابہ: ۱/ ۴۹۶)

مستدرک للحاکم میں مفصل روایت ہے، جس کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ یکے بعد دیگرے اپنے تین بیٹوں کا نام "حرب" رکھتے رہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبدیل فرما کر بالترتیب حسن، حسین اور محسّن رکھا اور فرمایا کہ میں نے ان کے نام حضرت ہارون علیہ السلام کے صاحبزادوں شبیر، شبر اور مشبر کے ناموں پر رکھے ہیں۔

(المستدرک علی الصحیحین، رقم: ۴۷۷۳۔ اسد الغابہ: ۱/ ۴۹۶)

حلیۂ مبارک

آپ کا بدن مبارک حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے بدن کے مشابہ تھا۔

(جامع الترمذی، رقم: ۳۷۷۹۔ البدایۃ والنہایۃ، اسد الغابۃ)

فضائل ومناقب

آپ رضی اللہ عنہ کی سب سے بڑی فضیلت یہی ہے کہ آپ نواسۂ رسول، جگر گوشۂ بتول اور شیرِ خدا رضی اللہ عنہ کے لختِ جگر اور رتبۂ صحابیت پر فائز ہیں، جو اس حسب ونسب کی فضیلت کو باعثِ نجاتِ اُخروی بنا دیتا ہے۔

جناب حضرت حسین شہید کربلا رضی اللہ عنہ اپنے نانا حضرت محبوب ربِ العالمین کی محبتوں، شفقتوں اور توجہات کے محور ومرکز رہے۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنے ان لاڈلوں سے اُلفت وموانست اور لاڈ پیار بے مثال ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ:

”جناب حسنین کریمین رضی اللہ عنہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے باہم کشتی کا کھیل کھیل رہے تھے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے:

حسن! شاباش! جلدی کرو۔ حضرت فاطمہ رضؓ عرض کرنے لگیں: آپ حسن کو ہی کیوں شاباشیاں دے رہے ہیں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: حسین کو جبریل امین کہہ رہے ہیں کہ شاباش حسین! جلدی کرو۔“ (اسد الغابہ: ۱/ ۵۴۹۷)

”عن أُسَامَة بْنِ زَيْدٍ، قَالَ: طَرَقْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ لَيْلَةٍ فِي بَعْضِ الْحَاجَةِ فَخَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ مُشْتَمِلٌ عَلَى شَيْءٍ لَا أَدْرِي مَا هُوَ، فَلَمَّا فَرَغْتُ مِنْ حَاجَتِي، قُلْتُ: مَا هٰذَا الَّذِي أَنْتَ مُشْتَمِلٌ عَلَيْهِ؟ فَكَشَفَهُ فَإِذَا حَسَنٌ وَحُسَيْنٌ عَلَى وَرِكَيْهِ، فَقَالَ: هٰذَانِ ابْنَايَ

وَابْنَا ابْنَتِي، اللّٰهُمَّ إِنِّيْ أُحِبُّهُمَا فَأَحِبَّهُمَا وَأَحِبَّ مَنْ يُّحِبُّهُمَا ۔" (جامع الترمذی)

ترجمہ: "حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک رات میں نے کسی کام سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دروازہ کھٹکھٹایا، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے تو آپ نے کچھ اوڑھا ہوا تھا، معلوم نہیں کیا تھا، جب میں اپنے کام سے فارغ ہوگیا تو میں نے عرض کیا کہ: یہ کیا ہے جو آپ نے اُٹھا رکھا ہے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہٹایا تو حضرت حسن وحسین رضی اللہ عنہما آپ کی پشت مبارک پر تھے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: یہ دونوں میرے بیٹے ہیں اور میری بیٹی کے بیٹے ہیں، اے اللہ! میں ان سے محبت کرتا ہوں، پس تو بھی ان سے محبت فرما اور اس سے بھی محبت فرما جو اِن دونوں سے محبت رکھے۔"

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

"رسولِ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ آپ کو اہلِ بیت میں سے کس سے سب سے زیادہ محبت ہے؟ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

حسن وحسین سے، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو فرماتے کہ میرے بچوں کو میرے پاس بلاؤ، پھر آپ انہیں چومتے اور سینے سے لگاتے۔" (ترمذی: ۳۷۷۲)

حضرت ابو بریدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں خطبہ ارشاد فرما رہے تھے کہ: اچانک حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما سرخ قمیصوں میں ملبوس گرتے پڑتے آرہے تھے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر سے اُترے، دونوں حضرات کو اُٹھایا اور اپنے سامنے بٹھایا اور فرمایا کہ: اللہ

تعالیٰ نے سچ فرمایا ہے: "إِنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ (تمہارے مال اور تمہاری اولاد تمہارے لیے آزمائش ہے) میں نے ان بچوں کو دیکھا کہ گرتے ہوئے آرہے ہیں تو مجھ سے رہا نہیں گیا حتیٰ کہ میں نے اپنی گفتگو روک کر اُنہیں اٹھایا۔" (جامع ترمذی: ۳۷۷۴)

یعلیٰ بن مرۃ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

"حسین مجھ سے ہیں اور میں حسین سے ہوں (لہٰذا حسین سے محبت مجھ سے محبت ہے اور حسین سے دشمنی مجھ سے دشمنی ہے) اللہ تعالیٰ اس شخص سے محبت کرتے ہیں جو حسین سے محبت کرتا ہے۔" (جامع ترمذی: ۳۷۷۵)

"ایک دفعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ظہر یا عصر کی نماز کے لیے تشریف لائے اور آپ نے اپنے لاڈلوں حضرت حسن یا حضرت حسین رضی اللہ عنہما میں سے کسی کو اٹھایا ہوا تھا، آپ امامت کے لیے آگے بڑھے تو دائیں پاؤں کی جانب نواسے کو بٹھادیا، پھر سجدہ کیا اور لمبا سجدہ کیا۔ حضرت شداد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے لوگوں سے سر اوپر کیا تو دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو سجدے میں ہیں اور بچہ آپ کی پشت پر سوار ہے، میں دوبارہ سجدے میں لوٹ گیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (نماز سے فارغ ہو کر) رخ پیچھے موڑا تو لوگوں نے عرض کی کہ: یا رسول اللہ! آپ نے اپنی نماز میں آج جیسا سجدہ کیا ایسا سجدہ پہلے کبھی نہیں فرمایا، کیا کسی چیز کا حکم ہوا ہے یا کوئی وحی نازل ہوئی ہے؟ آپ نے فرمایا: ایسا کچھ بھی نہیں ہوا، لیکن میرا بیٹا مجھ پر سوار تھا تو میں نے اس بات کو ناپسند کیا کہ اُسے جلدی اُتار دوں۔" (المستدرک للحاکم، رقم: ۴۷۷۵)

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ان پیارے نواسوں کو ان خوب صورت الفاظ میں دم

کر کے شیطان اور نظرِ بد وغیرہ سے اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں دیتے تھے:

"أُعِيذُكُمَا بِكَلِمَاتِ اللهِ التَّامَّةِ مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ وَهَامَّةٍ، وَمِنْ كُلِّ عَيْنٍ لَامَّةٍ۔"

"میں تم دونوں کو اللہ تعالیٰ کے مکمل کلمات سے ہر شیطان، تکلیف دہ چیز اور ہر قسم کی بدنظری سے پناہ میں دیتا ہوں۔"

نیز فرماتے کہ: "جناب حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی اسی طرح اپنے صاحبزادوں حضرت اسماعیل اور حضرت اسحاق علیہم السلام کو پناہِ خداوندی میں دیا کرتے تھے۔"

(صحیح البخاری، رقم: ۳۳۷۱)

حضرت یعلیٰ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ:

"وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک دعوتِ طعام پر گئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے آگے آگے چل رہے تھے، آپ نے دیکھا کہ حسین بچوں کے ساتھ کھیل رہے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں پکڑنا چاہا تو وہ ادھر اُدھر دوڑنے لگے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی (اُن کو پکڑنے کے لیے دوڑ کر) خوش طبعی کرنے لگے، حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُنہیں پکڑ لیا، پھر اپنا ایک ہاتھ اُن کی گدی پر رکھا اور دوسرا ٹھوڑی کے نیچے رکھا اور ان کے دہن طیب پر اپنا دہن مبارک رکھ کر چومنے لگے اور فرمایا کہ: حسین مجھ سے ہے اور میں حسین سے ہوں اور اللہ تعالیٰ اس سے محبت کرتے ہیں جو حسین سے محبت کرے۔"

(المستدرک للحاکم، رقم: ۴۸۲۰)

آپ رضی اللہ عنہ خاندانِ نبوت کے چشم و چراغ اور باغِ نبوت کے مہکتے پھول تھے، جس ماحول میں آپؓ نے پرورش پائی، اس سے پاکیزہ اور اچھے ماحول کا تصور ممکن ہی نہیں ہے، چنانچہ آپؓ اخلاق، اعمال، صوم وصلاۃ، حج وزکوٰۃ، صدقہ وخیرات، اُمورِ خیر اور عبادات میں اپنی مثال آپ تھے۔

آپ کے صاحبزادے حضرت علی زین العابدین رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

''حضرت حسین رضی اللہ عنہ دن رات میں ایک ہزار نفل پڑھا کرتے تھے۔''

(سیر الصحابہؓ: ۴ / ۲۰۷)

وقار، شائستگی، تواضع اور استقلالِ رائے میں اپنی مثال آپ تھے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مراسم اور تعلق

مؤرخ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں:

''حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم آپ کی تکریم وتعظیم کیا کرتے تھے، (باوجودیکہ اس وقت تک حضرت حسین رضی اللہ عنہ صغیر السن تھے، مگر یہ جانثارانِ رسول قرابتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کیوں کر لحاظ نہ کرتے؟) پھر آپ اپنے والد گرامی قدر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہے، ان کے ساتھ جنگوں میں شرکت کی، مشاجرۂ جمل اور صفین میں بھی شرکت کی، والد ماجد کی بہت توقیر کرتے تھے، ان کی شہادت تک اطاعت گزاری کی، پھر مصالحتِ سیدنا حسن باسیدنا معاویہ رضی اللہ عنہما کو بھی تسلیم کیا، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ان دونوں صاحبزادوں کا خصوصی اکرام کرتے، انہیں خوش آمدید اور مرحبا کہتے، عطایا دیتے، دو لاکھ

درہم تک ان کی خدمت میں پیش کرتے۔حضرت حسن رضی اللہ عنہ وفات پاگئے تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ ہر سال وفد کے ساتھ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس آتے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ان کی خوب خدمت اور عزت کرتے،خلافتِ معاویہؓ میں ہونے والے غزوۂ قسطنطنیہ میں بھی آپ شریک تھے۔“ (البدایۃ والنہایۃ:۸/ ۱۶۲)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا یہ فرمان صحیح بخاری میں موجود ہے:

”ارْقُبُوا مُحَمَّدًا صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي أَهْلِ بَيْتِهِ۔“

(صحیح البخاری: رقم ۳۷۵۱)

ترجمہ:”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلِ بیت میں آپ کی قرابت کا لحاظ رکھو۔“

علامہ ڈاکٹر خالد محمود رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

”حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت تک حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے تعلقات اچھے تھے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی پوری کوشش تھی کہ وہ روابط جو انہوں نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ نہایت بہترین انداز میں قائم کر رکھے ہیں ٹوٹنے نہ پائیں۔ابن بابویہ قمی حضرت زین العابدین رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے آخری وقت میں یزید کو جو نصیحتیں کیں،ان میں سے ایک یہ تھی:

” سحق حرمتِ او را بشناس و منزلت و قرابتِ او را با پیغمبر بیاد آورد، با کردہ ہائے او مواخذہ مکن و روابطی کہ من با او دریں مدت محکم کردہ ام قطع مکن۔“ (جلاء العیون،ص:۳۸۸،ایران)

ترجمہ: ’’حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے حق احترام کو پہچاننا اور انہیں جو قرب اور درجہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں حاصل ہے اُسے یاد رکھنا، ان کے کسی عمل پر ان سے مواخذہ نہ کرنا اور وہ تعلقات جو میں نے اب تک ان سے نہایت مضبوط کر رکھے ہیں انہیں ہرگز قطع نہ کرنا۔‘‘ (عبقات:۱/ ۱۸۵)

ازواج واولاد

آپ کی ازواجِ طاہراتؓ میں لیلیٰ ، حباب، حرار اور غزالہ شامل ہیں۔ اولاد درج ذیل ہے: صاحبزادیوں میں سکینہ، فاطمہ اور زینب۔ (سیر الصحابہؓ) بیٹوں میں: علی اکبر، علی اصغر، زید، ابراہیم، محمد، حمزہ، ابوبکر، جعفر، عمر، یزید۔ (تاریخ الائمہ للرافضۃ، ص: ۸۳)

شہادت

آپ رضی اللہ عنہ کی شہادت کا المناک اور دردناک واقعہ ۱۰ محرم الحرام ۶۱ھ بروز جمعہ یزید کے دورِ جور و جفا میں پیش آیا، جس کی تفصیلات مفتی اعظم مولانا محمد شفیع عثمانی اور حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب قاسمی رحمۃ اللہ علیہم کی کتب ’’شہیدِ کربلا‘‘ اور مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کی کتاب ’’فوائدِ نافعہ‘‘ جلد دوم میں دیکھی جا سکتی ہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ حضرت حسین رضی اللہ عنہ، جملہ اہلِ بیت اطہار رضی اللہ عنہم اور خاندانِ نبوت کے تمام افراد کی محبت واُلفت عطا فرمائے اور اُن کے نقوشِ پا پر چلنے کی توفیق بخشے، آمین۔

اُم اسعد

غزہ... ضمیر کے زخم

اسرائیل کے قدیم و معتبر اخبار Haaretz نے 19 اپریل 2026ء کی اشاعت میں اسرائیلی افواج کی جانب سے فلسطینیوں پر مظالم اور اس کے نتیجے میں اسرائیلی فوجیوں کو درپیش شدید نفسیاتی دباؤ اور بیماریوں کی ایک ایسی رپورٹ شائع کی ہے جو اسرائیل کے جنگی مظالم سفاکیت اور بے گناہ انسانوں کے قتلِ عام کے لیے ناقابلِ تردید ثبوت ہے۔ یہ سب کچھ اسرائیل کے اندر کی گواہی ہے کوئی ذی شعور انسان اس رپورٹ کو پڑھ کر اپنے آپ پر شاید ہی ضبط رکھ سکے۔

ایک ایسی رپورٹ کہ جس کو ہر صاحبِ دل فرد تک پہنچنا چاہیے آپ تمام افراد سے گزارش ہے کہ اس کو اپنے حلقہ احباب میں ضرور شیئر کریں۔ رپورٹ کا انگریزی سے اردو ترجمہ آپ کی خدمت میں۔

یُووال اپنے ناخن چباتے ہوئے بیٹھا ہے، اس کی ٹانگیں بےچینی سے ہل رہی ہیں۔ تل ابیب میں دوپہر کا وقت ہے اور سڑک لوگوں سے بھری ہوئی ہے۔

کبھی کبھی وہ اردگرد دیکھتا ہے، گزرتے ہوئے لوگوں کو بےچینی سے تکنے لگتا ہے۔

وہ کہتا ہے: "معاف کیجیے، میرا سب سے بڑا خوف انتقام ہے۔"

لیکن یُووال (یہ ایک فرضی نام ہے، جیسا کہ اس مضمون میں تمام نام فرضی ہیں) کسی جرائم پیشہ خاندان میں پیدا نہیں ہوا اور نہ ہی وہ مجرم ہے۔ وہ 34 برس کا ہے، تل ابیب کے نواحی علاقے رامات ہاشارون میں پلا بڑھا اور ایک کمپیوٹر پروگرامر بنا۔ حال ہی میں وہ دنیا کی ایک بہت بڑی ہائی ٹیک کمپنی میں کام کرتا تھا، مگر کئی ماہ سے وہاں نہیں گیا۔ وہ کہتا ہے: "میں جہنم میں تھا، مگر مجھے اس کا احساس نہیں تھا۔" جس جہنم کی وہ بات کر رہا ہے، وہ جنوبی غزہ کے خان یونس میں دسمبر 2023ء کے دوران پیش آیا، جب وہ ایک سپاہی تھا۔ "ہر وقت فضائی حملے ہو رہے تھے۔ ایک ایک ٹن کا بم آپ کے قریب گرتا ہے تو دل اچھل پڑتا ہے۔" اس کی یونٹ شہر کے مرکز کی طرف مغرب کی سمت بڑھ رہی تھی۔ "شدید لڑائی ہو رہی تھی آپ خودکار انداز میں کام کرتے ہیں۔ آپ سوال نہیں کرتے" وہ کہتا ہے۔ وہ سوال بعد میں آتے ہیں اور پھر اسے ستاتے رہتے ہیں۔ "میرے پاس اچھے جواب نہیں ہیں، میرے پاس تو کوئی جواب ہی نہیں۔ جو میں نے کیا اس کی معافی نہیں۔ کوئی کفارہ نہیں۔"

یہ صلاح الدین روڈ کے قریب ہوا، جو غزہ کی مرکزی شاہراہ ہے۔ ایک پلاٹون نے ڈرون کے ذریعے کچھ مشتبہ افراد دیکھے۔ یووال کی یونٹ نے دھاوا بول دیا۔ وہ کہتا ہے: ”میں پاگلوں کی طرح فائرنگ کر رہا تھا، بالکل ویسے ہی جیسے بنیادی تربیت میں پلاٹون کی مشقوں میں سکھاتے ہیں۔“

”جب ہم اپنی منزل پر پہنچے تو مجھے احساس ہوا کہ یہ دہشت گرد نہیں تھے۔ ایک بوڑھا آدمی تھا اور تین لڑکے، شاید نوعمر۔ ان میں سے کسی کے پاس ہتھیار نہیں تھا۔ مگر ان کے جسم گولیوں سے چھلنی تھے، ان کے اعضا باہر نکل رہے تھے۔ میں نے اتنی قریب سے کبھی ایسا منظر نہیں دیکھا تھا۔“

”مجھے یاد ہے، خاموشی تھی، کسی نے ایک لفظ نہیں کہا۔ پھر بٹالین کمانڈر اپنے لوگوں کے ساتھ آیا، ایک نے لاشوں پر تھوکا اور چلایا: ”جو بھی اسرائیل سے پنگا لے گا، اس کے ساتھ یہی ہوگا، نازیبا الفاظ۔۔۔ میں صدمے میں تھا، مگر خاموش رہا کیونکہ میں کمزور تھا، بس ایک بزدل۔“

تقریباً تین ماہ بعد یووال کو فوج سے فارغ کر دیا گیا۔ اس نے دو ہفتے آرام کیا اور پھر اپنی ملازمت پر واپس چلا گیا۔ وہ کہتا ہے: ”جب مجھے فارغ کیا گیا تو انہوں نے میرے لیے پارٹی کی، تالیاں بجائیں اور مجھے ہیرو کہا۔ مگر مجھے محسوس ہوتا تھا کہ میں ایک عفریت ہوں۔ میں وہ باتیں برداشت نہیں کر سکتا تھا جو لوگ مجھ سے کہتے تھے۔ مجھے لگتا تھا کہ انہیں احساس ہی نہیں کہ میں اچھا انسان نہیں تھا، بلکہ اس کے بالکل برعکس تھا۔“

چند ماہ تک اس نے اپنی ملازمت کو تھامے رکھنے کی کوشش کی تا کہ دل پر پڑا بوجھ بھلا سکے، مگر وہ ہار گیا۔ شرمندگی کا احساس اور بڑھتا گیا۔ وہ کہتا ہے: "میں کوشش کرتا ہوں کہ گھر سے باہر نہ نکلوں اور اگر نکلوں بھی تو ہڈی (سر پر ٹوپی والی جیکٹ) پہن لیتا ہوں تا کہ لوگ مجھے پہچان نہ سکیں۔ میں نے آئینے بھی پھینک دیے۔ میں اپنا چہرہ دیکھ نہیں سکتا۔ مجھے گہرا خوف ہے کہ کوئی مجھ سے میرے کیے کا بدلہ لے گا، حالانکہ مجھے معلوم ہے کہ یہ ناممکن ہے۔ غزہ میں کون مجھے تلاش کر سکتا ہے؟ کسے معلوم بھی ہے کہ وہ میں تھا؟" "شاید کسی نہ کسی طور میں مرنا چاہتا ہوں، بس سب ختم ہو جائے۔ میں خودکشی اس لیے نہیں کرتا کہ میں نے اپنی ماں سے وعدہ کیا ہے، مگر میں مانتا ہوں کہ مجھے نہیں معلوم میں یہ وعدہ کب تک نبھا سکوں گا۔"

ہارٹز سے بات کرنے کے دو دن بعد یووال کو ایک نفسیاتی وارڈ میں داخل کر دیا گیا۔

گزشتہ سال ہارٹز نے ان فوجیوں کے بارے میں رپورٹ کیا تھا جو غزہ میں لڑے تھے اور "اخلاقی زخموں" کا شکار ہوئے۔ ایک نشانہ باز (اسنائپر) جس نے امداد کے طلبگار لوگوں کو گولی ماری تھی، کہتا ہے کہ اسے شدید ڈراؤنے خواب آتے ہیں، ڈرون آپریٹرز، جنہوں نے شہریوں کو ہلاک کیا، ایسے زخم بیان کرتے ہیں جو کبھی نہیں بھرتے۔ اسرائیل کی قومی کونسل برائے انسدادِ خودکشی کے سربراہ پروفیسر گل زالسمن کہتے ہیں: "ہم پہلے سے کہیں زیادہ بڑے پیمانے پر ضمیر کے زخم دیکھ رہے ہیں۔ ہم نے انہیں اپنے ٹراما کلینکس اور نجی کلینکس میں دیکھا ہے۔ ہم نے یہ بھی دیکھا ہے کہ ریزروسٹ فوجیوں کے بچے، جنہوں

نے کوئی کہانی سن لی، اپنے باپوں کے کیے سے پریشان ہیں۔ یہ دوسری سطح تک پہنچ چکا ہے۔"

"اسرائیلی فوج اور حکومت نے کوئی اعداد وشمار فراہم نہیں کیے، مگر اکتوبر کی جنگ بندی کے بعد اخلاقی زخموں کے لیے مدد طلب کرنے والوں کی تعداد بڑھ رہی ہے، زاسمن کہتے ہیں۔ بعض اوقات ان مریضوں کو بعد از صدمہ ذہنی دباؤ (PTSD) کا شکار قرار دیا جاتا ہے، مگر کچھ مماثلت کے باوجود اخلاقی زخم ایک مختلف چیز ہے۔"

حائفہ یونیورسٹی کے پروفیسر یوسی لیوی۔ بیلز کے مطابق: "PTSD خوف پر مبنی ایک ردعمل ہے جو کسی ایسے صدمہ انگیز واقعے کے سامنے آنے سے پیدا ہوتا ہے جس میں خود انسان یا اس کے آس پاس کے لوگوں کے لیے خطرہ ہو۔" اس کی عام علامات میں ضرورت سے زیادہ چوکنا رہنا اور اجتناب شامل ہیں۔ "ضمیر کے زخم ان واقعات کے سامنے آنے سے ہوتا ہے جنہیں بنیادی اخلاقی اقدار کی سنگین خلاف ورزی سمجھا جائے خواہ اپنی طرف سے ہو یا دوسروں کی طرف سے اور اس میں عموماً جرم، شرم، غصہ، نفرت، بیگانگی، ایمان کا کھو جانا اور شناخت، معنی اور انسانیت کے احساس کا ٹوٹ جانا شامل ہوتا ہے۔" پھر وقت کا مسئلہ بھی ہے، لیوی بیلز کہتے ہیں جو یونیورسٹی کے لیور تسفتی سینٹر فار سوسائٹی اینڈ مینٹل ہیلتھ کے سربراہ ہیں۔ "جب جنگ ختم ہوتی ہے، سپاہی گھر لوٹتا ہے اور دنیا اچانک بہت زیادہ پیچیدہ محسوس ہونے لگتی ہے۔ سیاہ وسفید کی تمیز مٹ جاتی ہے، دنیا اب دو خانوں میں تقسیم نہیں رہتی اور وہ پیچیدہ محرک اور واقعات کو دیکھ سکتا ہے جن سے وہ گزرا تھا اور سمجھ سکتا ہے کہ ایسی

چیزیں ہوئیں جو اس کے عقائد سے ٹکراتی ہیں۔"

لیوی بیلز مزید کہتے ہیں کہ "اخلاقی زخم تب بھی ہوسکتا ہے جب کوئی شخص خود کچھ کرے، یا کچھ ایسا دیکھے، جو اس کے اخلاقی ضابطے کی کھلی خلاف ورزی ہو۔ یہ زخم اس وقت اور زیادہ شدید ہوسکتا ہے جب اس شخص نے دوسرے کو روکنے کی کوشش نہ کی ہو اور خاص طور پر جب وہ دوسرا شخص کوئی با اختیار شخصیت ہو۔" وہ کہتے ہیں: "ہم کمانڈروں جیسی شخصیات سے، جو والدین جیسی سمجھی جاتی ہیں، توقع رکھتے ہیں کہ وہ ہماری حفاظت کریں گے۔ اس لیے ایسے حالات میں یہ زخم شدید بحران اور خاص طور پر سخت ذہنی اذیت کا سبب بن سکتا ہے۔"

پراؤڈ میں دہشت

مایا تل ابیب کے وسطی علاقے میں رہتی ہے اور فلسفہ پڑھتی ہے، خاص طور پر مشیل فوکو کی تحریریں۔ غزہ جنگ کے دوران اس نے ریزرو میں آرمرڈ کور کی ایک بٹالین میں سینکڑوں دن بطور انسانی وسائل افسر خدمات انجام دیں۔

وہ کہتی ہے: "میری روزمرہ زندگی اور میری ریزرو ڈیوٹی میں کوئی تعلق نہیں۔ وہ دو الگ دنیائیں ہیں، الگ لوگ اور سچ کہوں تو میں خود بھی مختلف طرح سے برتاؤ کرتی ہوں، مختلف طرح سے بات کرتی ہوں۔ کچھ کچھ ڈاکٹر جیکل اور مسٹر ہائیڈ جیسا۔ جنگ کے دوران میں بے گناہ لوگوں کے قتل کے مناظر سے دوچار ہوئی ایسی ہولناک چیزیں کہ اگر میں انہیں ہارٹز میں پڑھتی تو چیخ اٹھتی، مگر ریزرو ڈیوٹی کے دوران وہ میرے پاس سے یوں گزر گئیں جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔"

ایک واقعہ مگر اپنے پیچھے زخم چھوڑ گیا۔ یہ جنوبی غزہ میں فوج کی ایک چوکی پر ہوا۔

مایا کہتی ہے: ”میں کمانڈ روم میں بیٹھی تھی۔ اچانک نگہبانی پر موجود فوجیوں نے پانچ فلسطینیوں کو دیکھا جو اس لکیر کو عبور کر رہے تھے جسے عبور کرنے کی انہیں اجازت نہیں تھی اور شمالی غزہ کی طرف جا رہے تھے۔ سب پاگل ہو گئے۔ بہت افراتفری تھی۔ بٹالین کمانڈر نے حکم دیا کہ ان پر بھرپور فائرنگ کی جائے، حالانکہ یہ تصدیق نہیں ہوئی تھی کہ وہ مسلح تھے یا کچھ اور۔ ایک ٹینک نے اپنی مشین گن سے ان پر فائرنگ شروع کر دی۔ سینکڑوں گولیاں۔“ وہ کہتی ہے کہ ان پانچ میں سے چار فلسطینی مارے گئے۔

”کچھ گھنٹے بعد ایک D9 (کیٹر پلر بکتر بند بلڈوزر) نے انہیں ریت میں دفن کر دیا۔ جب میں نے پوچھا کیوں، تو کہا گیا کہ کتے لاشوں کو نہ کھائیں اور بیماری نہ پھیلے۔ جو ایک زندہ بچ گیا تھا، اسے چوکی پر ایک پنجرے میں ڈال دیا گیا اور کہا گیا کہ ہمیں شن بیت (اسرائیلی خفیہ ایجنسی) کے ایک اہلکار کے آنے کا انتظار کرنا ہوگا تا کہ وہ اس سے پوچھ گچھ کرے۔“

مگر شن بیت کا کوئی تفتیش کار اس دن نہیں آیا۔

”میں نے رات اسی چوکی پر گزاری مگر سو نہ سکی، وہاں میں اکیلی لڑکی تھی۔ اچانک چند فوجیوں نے مجھے بلایا تو میں ان کے ساتھ پنجرے تک گئی۔ فلسطینی وہاں ہتھکڑی لگے اور آنکھوں پر پٹی باندھے بیٹھا تھا اور لگ رہا تھا کہ سردی سے ٹھٹھر رہا ہے۔ اچانک ایک فوجی نے اپنی پتلون کھولی اور اس پر پیشاب کرنا شروع کر دیا۔ اس نے اس سے کہا: ’یہ بیئری کے

لیے ہے، اے ۔۔۔، یہ نووا کے لیے ہے۔' رَکبُّوتص بیئری اور نووا میوزک فیسٹیول، وہ دو مقامات تھے جن پر 17 اکتوبر 2023 کو حماس نے حملہ کیا تھا۔" "کوئی ہنسنا بند نہیں کر رہا تھا۔ شاید میں بھی ہنسی ہوں۔ اگلے دن شن بیت کا تفتیش کار آیا۔ وہ اس کے ساتھ دس منٹ رہا اور پھر کہا کہ یہ بس کوئی آدمی ہے جو شمالی غزہ میں اپنے گھر واپس جانے کی کوشش کر رہا تھا، اس کا حماس سے کوئی تعلق نہیں، چنانچہ اسے چھوڑ دیا گیا۔ مایا کہتی ہے: "جسے چند گھنٹے بعد فوج سے فارغ کر دیا گیا۔ مگر جو کچھ اس نے دیکھا، وہ اس کے ساتھ رہ گیا۔ مجھے محسوس ہوتا تھا کہ میں منافق ہوں، گندی ہوں۔ میں دن میں تین بار نہاتی تھی، اس کی بے بسی کی تصویر میرا پیچھا نہیں چھوڑتی تھی۔ خیالات مجھے مسلسل کاٹتے رہتے تھے میں کیسے بس کھڑی دیکھتی رہی اور کچھ نہ کیا؟ میں جو خود کو اخلاقی سمجھتی ہوں اور پناہ گزینوں کے ساتھ رضا کارانہ کام کرتی ہوں اور احتجاجوں میں جاتی ہوں، میں نے یہ سب کیسے قبول کر لیا؟ میں نے انہیں کچھ کہا کیوں نہیں اور یہ میرے بارے میں کیا بتاتا ہے؟ میرے پاس کوئی جواب نہیں۔"

مایا اکیلی نہیں جسے اس چوکی سے ضمیر پر زخم پہنچا۔ یہودا نے بھی وہاں، مگر دوسرے وقت میں، اپنی ریزرو ڈیوٹی کے دوران خدمات انجام دیں۔

وہ کہتا ہے: "میرا پلاٹون ہمر گاڑیوں پر ہوتا تھا اور ہم اس سیکٹر کے لیے ایک طرح کی ابتدائی ردعمل فورس تھے۔ ایک اور ہمر بھی تھی جس کی کمان ایک ایسے افسر کے ہاتھ میں تھی جس کا نام امریکی سا تھا۔ وہ کئی ماہ سے وہاں خدمات انجام دے رہا تھا اور جب بھی کوئی بریگیڈ وہاں سے جاتی وہ بس اگلی بریگیڈ کے ساتھ جڑ جاتا۔ وہ عجیب آدمی تھا، مشکوک۔ جب بھی اس

سے اس کے پس منظر کے بارے میں پوچھا جاتا، وہ کچھ اور بتاتا اور اگر آپ سوال کرتے تو وہ غصے میں آجاتا۔ یہ واضح نہیں تھا کہ جنگ نے اسے بگاڑ دیا تھا یا وہ پہلے ہی ایسا تھا، مگر وہ کام کروالیتا تھا، اس لیے کسی نے سوال نہیں کیا۔"

ایک رات ایک فلسطینی، چوکی کے قریب پہنچنے میں کامیاب ہوگیا۔

یہودا کہتا ہے: "ہم دو ہمر گاڑیوں میں نکلے۔ ایک کی کمان میرے پاس تھی اور دوسری اس امریکی افسر کے پاس۔ ہم اس فلسطینی کے پاس پہنچے اور اس نے فوراً ہاتھ اوپر اٹھا دیے۔ یہ بالکل واضح تھا کہ وہ غیر مسلح تھا۔ افسر اس کے قریب گیا، چند سیکنڈ رکا اور پھر بس فائر کر دیا بغیر سوال کیے، بغیر اس کے کچھ کہے۔ میں صدمے میں تھا۔ پھر ہم چوکی پر واپس آئے اور میں وار روم میں گیا اور چند افسران کے ساتھ ڈرون سے ریکارڈ ہونے والی ویڈیو دیکھی۔" ایک عمر رسیدہ افسر نے کہا: "یہ قتل ہے، سراسر قتل، مگر انہوں نے کچھ نہ کرنے کا فیصلہ کیا، بس معاملہ دبا دیا گیا۔

بریگیڈ ہیڈ کوارٹر کو رپورٹ کیا گیا کہ ایک دہشت گرد مارا گیا ہے۔ کوئی باضابطہ جائزہ تک نہیں ہوا۔ وہ افسر یوں خدمات انجام دیتا رہا جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو اور میں نے بھی اس سے کچھ نہیں کہا۔ ہماری سروس کے اختتام پر جو عمل ہوا، اس میں بھی کسی نے اس کا ذکر نہ کیا، جیسے یہ کبھی ہوا ہی نہ تھا۔"

دو ماہ بعد یہودا اپنی بیوی کے ساتھ میڈرڈ گیا۔ ایک دن وہ پراڈو میوزیم گئے، اس کی بیوی آرٹ میں ڈاکٹریٹ کی طالبہ ہے، ایک ایسا مضمون جس کے بارے میں یہودا کہتا ہے

کہ وہ کچھ نہیں جانتا۔ اچانک وہ خود کو گویا کہ ایک پینٹنگ کے سامنے کھڑا پایا۔ ”مجھے خاص دلچسپی نہیں تھی، مگر اچانک میں اس کی ایک ایسی پینٹنگ کے سامنے تھا جس میں ایک بے بس آدمی فوجیوں کے سامنے ہاتھ اٹھائے کھڑا ہے۔“ یہودا کہتا ہے: ”میں پینٹنگ کے قریب گیا اور یہ مجھے بالکل اسی واقعے کی یاد دلانے لگی۔ اس کی آنکھوں کی کیفیت، خوف، دہشت۔ مجھے لگا میں نظریں نہیں ہٹا سکتا۔ مجھے پسینہ آنے لگا۔ یہ ہولناک تھا اور پھر اچانک، کہیں سے بھی، میں رونے لگا۔ میں کبھی نہیں روتا اور مجھے سمجھ نہیں آ رہا تھا میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔ میری بیوی نے مجھے دیکھا اور گھبرا گئی۔ اس نے پوچھا: 'کیا ہوا؟ کیا ہوا؟' اور مجھے معلوم نہیں تھا کہ اسے کیا جواب دوں۔ میں ٹوٹ چکا تھا۔ لوگ مجھے دیکھتے ہی جا رہے تھے۔ ذرا سوچیں، میوزیم کے بیچوں بیچ آنسوؤں میں ٹوٹ پڑنے کی وجہ آپ کیسے بیان کریں گے؟“

اس رات یہودا نے اپنی بیوی سے وعدہ کیا کہ اسرائیل واپس جا کر علاج کروائے گا۔ وہ کہتا ہے: ”میں اسے قبول کرنا سیکھنے کی کوشش کر رہا ہوں، مگر یہ بہت مشکل ہے۔ شرم میرا پیچھا نہیں چھوڑتی۔ میں ایسا شخص کیسے بن گیا جو کھڑا دیکھتا رہتا ہے اور درست کام نہیں کرتا؟“

تفتیشی کمرے کی یادیں

کچھ فوجیوں کا کہنا ہے کہ ان کے ضمیر کے زخم غزہ میں جنگ کے دوران اختیار کیے گئے طریقوں سے جڑے ہیں، جن میں سے بہت سے پہلے ہارٹز نے رپورٹ کیے تھے۔ مثال کے طور پر ناحال بریگیڈ کے کئی نشانہ بازوں نے امداد کے طلبگار فلسطینیوں پر فائر کیا، وہ ایک ایسی فرضی لکیر عبور کر گئے تھے جو فوج نے مقرر کی تھی۔

ان میں سے ایک کہتا ہے: "جب آپ اسنائپر کی دوربین سے گولی چلاتے ہیں تو سب کچھ بہت قریب محسوس ہوتا ہے، جیسے کمپیوٹر گیم میں۔ آپ ان لوگوں کے چہرے نہیں بھولتے جنہیں آپ نے مارا ہو۔ وہ آپ کے ساتھ رہتے ہیں۔ فوج سے فارغ ہونے کے بعد سے میں رات کو بستر گیلا کر دیتا ہوں۔ مجھے لگتا ہے میں اکیلا چھوڑ دیا گیا ہوں، کہ کوئی میری مدد نہیں کر سکتا۔ میں ایک ماہ ہسپتال میں رہا۔ انہوں نے مجھے سمجھانے کی کوشش کی کہ مجھے اسے قبول کرنا ہوگا، کہ وقت کو واپس نہیں موڑا جا سکتا۔ یہ کہنا ان کے لیے آسان ہے۔ وہ وہ لوگ نہیں جو جب بھی آنکھیں بند کریں تو کسی کو پیشانی میں گولی لگتے دیکھیں۔" کچھ فوجی کہتے ہیں کہ انہیں ذہنی زخم اس لیے پہنچے کہ انہوں نے فلسطینیوں کو انسانی ڈھال کے طور پر استعمال ہوتے دیکھا یا لوٹ مار اور توڑ پھوڑ دیکھی۔

ان میں سے ایک کہتا ہے: "ہم فلسطینی گھروں میں داخل ہوتے اور فوجی تباہی سے لطف لیتے۔ میں نے لوگوں کو برقی سامان، سونے کی زنجیریں، نقدی، سب کچھ اٹھاتے دیکھا۔ کچھ کہتے تھے کہ سب عرب بزدل ہیں اور نازیوں سے چوری کرنا باعثِ برکت ہے۔ مجھے گھن آتی تھی مگر میں نے کچھ نہیں کہا۔ خاص طور پر مجھے اس وقت تکلیف ہوتی جب لوگ فلسطینیوں کی تصویروں کو جلا دیتے یا ان پر پیشاب کرتے۔ اس سے کیا فائدہ؟

ایک بار ایک فوجی نے محسوس کیا کہ میں اس سے مطمئن نہیں ہوں تو اس نے کہا: 'تمہیں کیا ہوا ہے؟ وہ اب یہاں واپس آنے والے نہیں، ان کی کہانی ختم ہو چکی ہے۔' میں نے جواب نہیں دیا، بس سر ہلا دیا۔"

پھر یونٹ 504 کی کارروائیاں تھیں، جس کے کاموں میں قیدیوں سے تفتیش بھی شامل ہے۔ ایتان یاد کرتا ہے:

"ہم شمالی غزہ میں کارروائی میں تھے اور ایک گھر میں ایک حماس کا رکن پکڑا گیا۔ ہمیں حکم ملا کہ 504 کا تفتیش کار آنے تک ہم اس کی نگرانی کریں۔ وہ ہمیشہ جوڑی میں آتے ہیں ایک تفتیش کار اور ایک لڑاکا سپاہی۔ جب وہ پہنچے تو ہم گھر کے دروازے پر پہرہ دے رہے تھے اور میں پوری پوچھ گچھ سن اور دیکھ سکتا تھا۔"

ایتان کہتا ہے کہ ایک موقع پر تفتیش کار نے قیدی کی پتلون اور زیرِ جامہ اتار دیے۔

"اس نے دو کیبل ٹائیاں لیں اور اس کے نازک اعضاء پر باندھ دیں۔ اس نے اس سے ایک سوال پوچھا اور جب اس نے جواب نہ دیا تو اس نے کیبل ٹائیاں مزید کس دیں۔ وہ یہ عمل بار بار دہراتے رہے، خوفناک چیخ و پکار تھی۔ وہ کبھی چیخنا بند نہیں کرتا تھا، جیسے اس کی روح اس کے جسم سے نکل رہی ہو۔ آخر کار وہ بول پڑا، سب کچھ اگل دیا اور تفتیش کار نے کیبل ٹائیاں کھول دیں اور اسے ایک ٹرک میں ڈال دیا۔ غالباً وہ اسے حراست میں لے گئے۔"

ایتان کہتا ہے کہ تب سے وہ چیخیں اس کا پیچھا نہیں چھوڑتیں۔

"اس نے فوج کے بارے میں، ہمارے بارے میں، اپنے بارے میں میرا ہر خیال توڑ دیا۔ اگر ہم ایسی خوفناک چیز کر سکتے ہیں اور شہریوں کو اس کا علم بھی نہ ہو تو پھر تہہ خانوں میں اور کیا ہو رہا ہوگا؟ اور کون سے راز ہیں جو ہم چھپا رہے ہیں؟"

ماہرین کہتے ہیں کہ ایسے نفسیاتی زخم ان لوگوں کو بھی پہنچ سکتے ہیں جو جنگ کو فاصلے سے دیکھ رہے ہوں۔ مثال کے طور پر ران نے غزہ میں ایک دن بھی خدمات انجام نہیں دیں۔ وہ تل ابیب میں دفاعی ہیڈکوارٹر میں فضائیہ کے ایک ریزروافسر تھے، ایک ایسی یونٹ میں جو فضائی حملوں کی منصوبہ بندی کرتی تھی۔

وہ کہتا ہے: "7 اکتوبر کے بعد سب کچھ بدل گیا۔ معاون شہری نقصان کے بارے میں میری جتنی سمجھ تھی، سب چھین لی گئی۔ ہم ایسے حملوں کی منصوبہ بندی کرتے اور منظوری لیتے تھے جن کے بارے میں ہمیں معلوم ہوتا تھا کہ ان میں درجنوں شہری مارے جائیں گے، کبھی اس سے بھی زیادہ اور اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ میرا کزن نووا میں مارا گیا تھا۔ میں انتقام اور غصے سے اندھا ہو چکا تھا، انہی نے مجھے اپنی گرفت میں لے لیا تھا۔ جو کچھ ہوا وہ غیر متناسب تھا۔ جیسے جیسے دن گزرتے گئے، اس کا بوجھ مجھ پر بڑھتا گیا۔ ایک لمحے میں ہم ایسے حملے کی منصوبہ بندی کر رہے ہوتے جس میں بچے مریں گے اور اگلے ہی لمحے ہم ابن گبی رول [تل ابیب کی ایک مرکزی سڑک] پر ہم برگر کھا رہے ہوتے۔ یہ ایک ایسا تضاد ہے جسے آپ قابو میں نہیں رکھ سکتے اور مجھے لگتا تھا کہ میرے ماتھے پر کوئی نشان بنتا جا رہا ہے۔"

وہ کہتا ہے کہ بحران کا لمحہ گزشتہ سال 18 مارچ کو آیا، جب اسرائیل نے حماس کے ساتھ جنگ بندی توڑی اور رات بھر فضائی حملے کیے۔ سینکڑوں لوگ مارے گئے، جن میں اکثریت شہریوں کی تھی۔

ران کہتا ہے: ”میں اب اس کا حصہ نہیں رہ سکتا تھا، مجھے لگا کہ اگر میں مزید خدمات انجام دیتا رہا تو میں اپنے اندر بچی ہوئی ہر اچھی چیز، اپنے اس وجود سے غداری کروں گا جو میں بننا چاہتا ہوں۔“

اور وہ اکیلا نہیں تھا۔ اس رات اتنے زیادہ شہری مارے گئے کہ کئی پائلٹوں نے اپنی ڈیوٹی سے ہٹانے کی درخواست کی۔ فضائیہ نے مان لیا مگر ان سے کہا کہ اسے خاموش رکھیں۔ ران گھر واپس آ گیا، مگر اپنی ملازمت پر واپس نہ جا سکا۔

وہ کہتا ہے: ”مجھے مردہ اور زخمی فلسطینیوں کی بدترین تصویریں دیکھنے کا جنون سا ہو گیا۔ میں بار بار یہ جوڑنے کی کوشش کرتا رہتا ہوں کہ آیا اس میں میرا کوئی حصہ تھا، کیا میں ان تصاویر کے لیے ذمہ دار ہوں۔

میرا ماہر نفسیات مجھ سے کہتا رہا ہے کہ لگتا ہے میں خود کو اذیت دینے کا انتخاب کر رہا ہوں۔ اس نے مجھ سے کہا کہ یہ بند کرو، مگر میں نہیں کر سکتا۔ مجھے لگتا ہے میں اسی کا مستحق ہوں۔“

اخلاقیات یا شناخت؟

سرکاری طور پر وزارتِ دفاع ”اخلاقی زخم“ کی تشخیص کو تسلیم نہیں کرتی جو ماہرین کے مطابق ابھی امریکی Diagnostic and Statistical Manual of (DSMMental Illness)) میں بھی شامل نہیں ہوئی۔ لہٰذا جو فوجی اخلاقی زخم کا شکار ہو وہ وزارت کے بحالی شعبے سے رجوع کرے گا، ایک طبی کمیٹی سے گزرے گا اور اسے

کا مریض تسلیم کیا جائے گا۔ اگرچہ بعض اوقات یہ دونوں کیفیتیں ایک دوسرے PTSD
سے ملتی جلتی ہیں، مگر بنیادی طور پر مختلف ہیں۔ غلط تشخیص کا مسئلہ صرف اصطلاحات کا نہیں۔
زاسمن کے مطابق علاج بھی بنیادی طور پر مختلف ہے۔

وہ کہتے ہیں: ”PTSD کا علاج صدمے کے ساتھ بتدریج اور وسیع سامنا کروا کر کیا جاتا ہے تاکہ صدمہ انگیز یادداشت کو جذباتی ردعمل سے الگ کیا جاسکے۔

اخلاقی زخم کے لیے ایسا کام درکار ہوتا ہے جو قبولیت اور اس فعل کے ساتھ صلح پر مرکوز ہو جس نے بحران پیدا کیا۔ دوسرے لفظوں میں انسان کو خود کو معاف کرنا سیکھنا پڑتا ہے۔“

مگر یہ جلد بدل سکتا ہے۔ اکتوبر میں قائم کی گئی عوامی کمیٹی، جو معذور فوجیوں کے علاج کے حل تلاش کر رہی ہے، امکان ہے کہ وہ سفارش کرے گی کہ بحالی کا شعبہ اخلاقی زخم کو تسلیم کرے۔

ایک ذیلی کمیٹی کے مطابق:

”علاج کے پروٹوکول تیار کیے جائیں، معالجین اور بحالی کے عملے کو تربیت دی جائے اور اخلاقی زخم اور روزگار، سماجی کردار اور کمیونٹی میں حصہ داری کے درمیان براہِ راست تعلق پر توجہ دی جائے۔“

فوج نے بھی خاموشی سے اس رجحان کو تسلیم کرنے کا فیصلہ کیا، اگرچہ دیر سے۔ مثال کے طور پر امریکی فوج کے پاس ذہنی زخموں کے علاج کے پروٹوکول برسوں سے موجود ہیں۔ حالیہ مہینوں میں، اور تقریباً پس منظر میں رہتے ہوئے، اسرائیلی ذہنی صحت کے

ماہرین ایسے فوجیوں کے لیے ایک ابتدائی مداخلتی پروٹوکول تیار کر رہے ہیں جو اخلاقی زخم کا شکار ہیں۔

آئی ڈی ایف کے ترجمان کے شعبے نے اس مسئلے پر کوئی بیان جاری نہیں کیا اور یہ سارا معاملہ خفیہ رکھا گیا، حالانکہ جنگ کے دوران فوج نے سپاہیوں کی ذہنی صحت کے لیے کئی دوسرے اقدامات کھلے عام کیے تھے۔ آئی ڈی ایف نے اس ذہنی کیفیت کو 'اخلاقی زخم' کہنے سے بھی انکار کیا اور اس کے بجائے 'شناخت کا زخم' کی اصطلاح کو ترجیح دی۔ فوج نے اس نام کی تبدیلی کے پیچھے کسی خفیہ مقصد سے انکار کیا۔

مگر ذرائع کچھ اور کہتے ہیں۔ ریز رو میں ایک ذہنی صحت افسر کہتا ہے: ”یہ بالکل واضح ہے کہ یہاں ایک سماجی وسیاسی بیان دیا جا رہا ہے۔ آخر اگر ہم تسلیم کر لیں کہ بہت سے فوجی اخلاقی زخموں کا شکار ہیں، تو پھر دنیا کی سب سے اخلاقی فوج والے کلیشے کے ساتھ یہ کیسے فٹ بیٹھے گا؟ اس لیے انہوں نے ایسی اصطلاح چنی جو ذمہ داری فوجی پر ڈال دے، گویا مسئلہ اس کی شناخت میں ہے، نہ کہ ان اعمال میں جو اس کے رہنماؤں نے اس سے کروائے۔“

فوج کے ذہنی صحت کے نظام کے ایک اور افسر نے کہا کہ یہ فیصلہ 'ایک عبوری حل تلاش کرنے کے لیے تھا تاکہ ان فوجیوں کو علاج دیا جا سکے بغیر سیاست دانوں کو مشتعل کیے۔ میں ایک ایسی میٹنگ میں موجود تھا جہاں ایک سینئر افسر نے کہا: ہم انہیں ضمیر کے زخم نہیں کہہ سکتے، کیا ہم چاہتے ہیں کہ چینل 14 ہمیں درخت سے لٹکا دے؟“

اس افسر نے یہ بات وزیرِ اعظم نیتن یاہو کے حامی ٹی وی چینل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہی۔

"فوج میں اس وقت یہی فضا ہے۔"

ضمیر کے زخموں کا براہِ راست سامنا کرنے سے صرف فوج ہی گریز نہیں کر رہی، بہت سے فوجی خود بھی ایسا ہی کرتے ہیں۔ وہ اپنے دوستوں کو اپنے جذبات بتانے سے ڈرتے ہیں، اس خوف سے کہ کہیں انہیں غدار، بائیں بازو والا یا کمزور نہ قرار دے دیا جائے۔

لیوی۔ بیلز کہتے ہیں: "پہلے PTSD کے ساتھ ایسا ہوتا تھا اور آج ضمیر کے زخم کے ساتھ ہو رہا ہے۔ یہ صرف جونیئر کمانڈر، بریگیڈ کمانڈر یا چیف آف اسٹاف کی سطح کا مسئلہ نہیں بلکہ پورے معاشرے میں موجود ہے۔ حکومت ایک دوٹوک کہانی سنا رہی ہے: یا تو آپ ہمارے ساتھ ہیں یا آپ بائیں بازو کے غدار ہیں اور اس کا سب سے زیادہ اثر نوجوان مردوں پر پڑ رہا ہے۔

ایک فوجی کو یہ فکر ہو سکتی ہے کہ اگر وہ کہے کہ اسے غزہ میں اپنے کیے پر شک ہے تو ٹیم اسے ایسا بیرونی فرد سمجھے گی جسے نکال دینا چاہیے۔ اس فوجی کے لیے یہ سب سے بری چیز ہو سکتی ہے: مکمل رد کیے جانے کا احساس۔ چنانچہ بہت سے معاملات میں وہ بات نہ کرنے اور مدد نہ لینے کو ترجیح دیں گے۔"

مثال کے طور پر گائے اب بھی اپنے جذبات دوسرے فوجیوں کے ساتھ بانٹنے سے

انکار کرتا ہے۔ وہ شلداغ اسپیشل فورسز یونٹ میں ہے۔ 7 اکتوبر کے بعد سے وہ سینکڑوں دن ریزروڈیوٹی کر چکا ہے۔ درحقیقت اسی ہولناک ہفتے کے دن دوپہر کے وقت بلایا گیا اور کہا گیا کہ بیڑی پہنچو۔ وہاں وہ جن چیزوں کو روک نہ سکا وہ اس کا پیچھا کرنے لگیں۔

گائے کہتا ہے: ”میں ایک بھاری الزام اٹھائے ہوئے ہوں اور میرا خیال ہے مجھ جیسے بہت ہیں، مگر انہوں نے بس اس کو کسی اور جگہ موڑ دیا انتقام کی طرف۔ جب بھی ہم کسی مشن پر نکلتے، ان کی آنکھیں چمکنے لگتیں۔ جب سرنگوں میں یونٹ کے استعمال کردہ خاص طریقوں سے تمام دہشت گردوں کے مارے جانے کی بات ہوتی، لوگ پُرجوش ہوتے، جبکہ مجھے ہولوکاسٹ یاد آتا۔ یہ مجھے جھنجھوڑ دیتا تھا، مگر میں خدمات انجام دیتا رہا۔ میں نے سوچا شاید یہ گزر جائے گا۔“

ایک کارروائی غزہ کے الشفا ہسپتال میں ہوئی۔

وہ کہتا ہے: ”پورا علاقہ موت کی بو سے بھرا ہوا تھا، لاشوں کی بو سے۔ تب سے میں جلے ہوئے گوشت کی بو برداشت نہیں کرسکتا۔ میں سبزی خور بن گیا۔ مجھے دراصل وہ لمحہ یاد ہے جب سب کچھ میرے اندر بدل گیا جب اس بو نے مجھے بیڑی میں سوکھی ہوئی بو یاد دلائی۔ تب میں نے سوچا ہم کیا بن گئے ہیں؟ میں کیا بن گیا ہوں؟ آج تک میں اس کا جواب دینے سے ڈرتا ہوں۔“

بنت سہیل

القسام بریگیڈ کے ترجمان ابو عبیدہ ثانی کا بیان

حماس اور اسرائیل کے درمیان ٹرمپ کے 20 نکاتی منصوبے کی خلاف ورزی اسرائیل نے فوراً کر دی تھی۔ امریکہ اور صہیونی ریاست نے مطالبہ شروع کر دیا تھا کہ حماس کو غیر مسلح

کیا جائے۔ بورڈ آف پیس بننے سے پہلے، دوران اور بعد میں کسی اور پیش قدمی کے بجائے اسرائیلی فوج کے غزہ سے مکمل انخلاء کے بغیر اور غزہ میں نسل کشی حملوں کے جاری رہنے کے باوجود یہ کہا جانے لگا کہ حماس کو غیر مسلح کیا جائے، وہ خود غیر مسلح ہو جائے، وغیرہ۔

اب اس مطالبے میں اسرائیل کا غزہ میں قتلِ عام کے باوجود غیر مسلح ہونے کا کہا جا رہا ہے۔ اب حماس کے ترجمان ابوعبیدہ نے واضح کر دیا ہے کہ جب تک اسرائیل اپنی ذمہ داریاں پوری نہیں کرتا، غزہ کو مکمل خالی نہیں کرتا، حماس سے غیر مسلح ہونے کا مطالبہ غیر فطری اور غیر حقیقی ہے۔

ابوعبیدہ نے ایک ریکارڈ شدہ بیان جاری کیا ہے جس میں تمام متعلقہ امور پر بات کی گئی ہے۔ انہوں نے ان ممالک پر شدید تنقید کی ہے جنہوں نے امریکہ اور اسرائیل کے حملوں کو روکنے کے بجائے فلسطین کے مجاہد گروپوں پر تنقید شروع کر دی ہے۔ اس جنگ کو رکوانے کے لیے کام کرنے والے ممالک اور راہ نما بھی یک طرفہ بات کر رہے ہیں۔ وہ حماس اور دیگر پر تو دباؤ ڈال رہے ہیں اسرائیل کے غزہ و لبنان اور شام پر حملوں اور اقدامات کو نہیں روک رہے۔

ابوعبیدہ نے کہا ہے کہ اسرائیل کے حملے اور جنگ مسلط کرنا غزہ میں نسل کشی کی ہی توسیع ہے۔ انہوں نے کہا ہے ہمارا رشتہ برادرانہ ہے۔ ہم اپنے بھائیوں کو ان حالات میں تنہا نہیں چھوڑ سکتے۔ یاد رہے کہ القسام بریگیڈ نے اپنے ترجمان کا تعارف دسمبر میں کرایا

تھا۔اس امر کی باقاعدہ تصدیق کی گئی تھی کہ پہلے ترجمان،جن کے نام کو نئے ترجمان کے نام سے یاد اور زندہ رکھا گیا ہے۔ابوعبیدہ اول غزہ میں اسرائیل کے حملے شہید ہو گئے تھے۔ القسام بریگیڈ نے واضح کیا تھا کہ شہید ابوعبیدہ کا نام حذیفہ الکحلوت تھا۔نئے ترجمان نے بھی اپنے لیے ابوعبیدہ کا نام ہی اختیار کیا تھا تاکہ حذیفہ کی خدمات کو یاد رکھا جائے۔

غزہ کی بات کرتے ہوئے ترجمان ابوعبیدہ نے کہا ہے کہ حماس اور اسرائیل کے درمیان ثالثی کرانے والے اب حماس سے ہی مزید رعایتوں کا مطالبہ کر رہے ہیں۔وہ فلسطین سے گہری وابستگی کے برخلاف اسرائیل کے لیے یہ سب کچھ طلب کر رہے ہیں، یہ انصاف کے تقاضوں کی خلاف ورزی ہے۔وہ اسرائیل کو اپنے وعدے پورے کرنے کے لیے دباؤ ڈالیں۔ابوعبیدہ نے کہا کہ ہمارا دشمن اسرائیل جو کچھ کرنے کی کوشش کر رہا ہے،وہ ہماری مزاحمت کمزور کرنے اور اس بارے میں شکوک وشبہات پیدا کر رہا ہے۔غزہ کے عوام کی مزاحمت کا مذاق اڑایا جا رہا ہے۔ہم ان رویوں کی شدید الفاظ میں مذمت کرتے ہیں۔ یہ رویے بہت خطرناک ہیں جو غزہ پر ایک نئی جنگ مسلط کر رہے ہیں۔

ابوعبیدہ نے مزید کہا ہے کہ اسرائیل پر دباؤ بڑھانے کی ضرورت ہے،اسے یاد دلانا ضروری ہے کہ اب بھی اس کی طرف سے غزہ کی ناکہ بندی جاری ہے۔اسی سلسلہ میں بھی ثالث اور ضامن اپنا کردار ادا نہیں کر رہے۔اس لیے انہیں معاہدے کے پہلے حصے پر عمل درآمد سے پہلے دوسرے حصے پر عمل درآمد اور حماس کو غیر مسلح کرنے کی بات زیب نہیں

دیتی۔

ابوعبیدہ نے واضح کیا ہے کہ اسرائیل غزہ کے شہریوں کو اب بھی قتل اور زخمی کر رہا ہے۔ مغربی کنارے میں بھی یہی صورت حال ہے۔ انہوں نے کہا کہ رمضان المبارک میں الاقصیٰ مسجد کو بند رکھنے اور فلسطینیوں کو نماز پڑھنے اور عبادت کرنے سے روکا گیا ہے۔ اس پر اسرائیل کے بجائے حماس پر بین الاقوامی سطح پر دباؤ ڈالا جا رہا ہے۔

ابوعبیدہ نے خطے میں موجود ہر مزاحمتی گروہ سے کہا ہے کہ اسرائیل کی ہر جگہ مزاحمت کرنا ضروری ہے۔ مغربی کنارے میں اسرائیلی فوج اور اس کے ایجنٹوں کو آزادانہ فلسطینی لوگوں کے قتل اور ان کی املاک کو تباہ کرنے سے روکنے کے لیے بھی ان سے مزاحمت کر رہی ہے۔ مقبوضہ بیت المقدس کو بھی ان حالات میں تنہا نہیں چھوڑنا چاہیے۔ وہاں بھی صہیونی جارحیت کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔

ابوعبیدہ نے اسرائیل کو خبردار کیا ہے کہ ہمیں جو زخم لگائے گئے ہیں، وہ یوں ہی رائیگاں نہیں جانے دیے جائیں گے۔ صہیونی قابض فوج سے ہر زخم کا حساب بھی لیا جائے گا اور بدلہ بھی لیا جائے گا۔

ابوعبیدہ نے اسرائیل کو یہ بھی کہا ہے کہ الاقصیٰ مسجد پر حملوں اور فلسطینی قیدیوں پر ظلم و ستم کے نتائج اسرائیل کو برداشت کرنا ہوں گے۔ اسرائیل کے ان اقدامات کے پورے خطے پر اثرات مرتب ہوں گے۔

ابو عبیدہ نے شام سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا کہ شام ایک دھڑکتا دل ہے۔ ہم فلسطینیوں کے لیے اس کی کوششوں کی تعریف کرتے ہیں اور مستقبل میں بھی اس سے ایسے ہی کردار کی توقع رکھتے ہیں۔

یاد رہے کہ جمعۃ المبارک کو شام کے عوام بڑی تعداد میں فلسطینیوں کی حمایت میں سڑکوں پر نکلے، انہوں نے فلسطین کے حق میں مظاہرے بھی کیے۔ مظاہرین نے الاقصیٰ کی ناکہ بندی کی بھی مذمت کی۔ یہودیوں کو فوج کی نگرانی میں لے جانے کی مذمت کی۔ مظاہرین نے حماس سے غیر مسلح ہونے کے مطالبے کی مذمت کی۔ انہوں نے نظر بند فلسطینیوں سے یکجہتی کا اظہار کیا اور انہیں پھانسیاں دینے کی بھی مخالفت میں نعرے بلند کیے۔ الاقصیٰ مسجد کی مکمل بازیابی تک جدوجہد جاری رکھنے کا اعلان کیا۔ یہ مظاہرے پورے ملک میں کیے گئے۔ ان مظاہروں میں اسرائیل کے مظالم کی شدید الفاظ میں مذمت کرتے ہوئے کہا گیا کہ کسی بھی صورت میں حماس کو غیر مسلح نہیں کیا جائے گا۔

اُخت افضل

فلسطینی بچّہ

21 ماہ کے فلسطینی بچے پر صیہونیوں کا تشدد

21 ماہ کا فلسطینی بچہ، اسرائیلی فوج نے غزہ سے دہشت گرد قرار دے کر گرفتار کیا۔ اسے 10 گھنٹے نظر بند رکھا گیا۔ جب اسے رہا کیا گیا تو اس کے اہل خانہ کو شدید کرب سے گزرنا پڑا۔ اس بچے کے ننھے سے جسم پر سگریٹوں سے جلائے جانے کے نشانات تھے۔ اس کی ٹانگیں، پیٹھ اور کمر پر جگہ جگہ اسرائیلی

سفاکی کے نشانات تھے۔ یہ جواد ابو ناصر عمر 21 مارچ کو اس کے والد سمیت پکڑا گیا تھا۔ اس کے والد اسامہ ابو ناصر کو 21 مارچ کو وسطی غزہ سے گرفتار کیا گیا۔ اسامہ کی عمر 25 سال ہے۔

جواد ابو ناصر کے اہل خانہ کا کہنا ہے کہ اسامہ اپنے بیٹے کو لے کر پھل وغیرہ خریدنے صبح 10 بجے بازار گیا تھا، عید الفطر آرہی تھی۔ نسل کشی کے دنوں میں اسامہ شدید ذہنی کرب سے گزر رہا تھا۔ ابھی جواد کی پیدائش نہیں ہوئی تھی۔ اب گرفتاری کے بعد اب تک اسے رہا نہیں کیا گیا۔ اسامہ کے والد کہتے ہیں کہ جب وہ گھر سے نکلا تو، اس نے مشرق کا رخ کیا حالانکہ اس کا ارادہ مغرب کی سمت جانے کا تھا۔ اسامہ کے والد حسن ابو مبارک ہیں۔ جب وہ مشرق کی سمت گیا تو ایک پڑوسی بھاگتا ہوا آیا اور حسن سے کہا کہ اسامہ نے بچے کو کندھوں پر بٹھا رکھا ہے اور وہ مشرق سمت گیا ہے۔ وہ علاقہ تو خطرے سے خالی نہیں ہے۔

مغازی پناہ گزین کیمپ میں اس کے گھر سے تقریباً 200 میٹر ہی اسامہ گیا تھا۔ اسرائیلی فوج ییلو لائن کے قریب ڈیرے ڈالے ہوئے تھی۔ یہ وہی ییلو لائن ہے جس کے دوسری جانب قابض صیہونی فوج موجود ہے۔ اس لائن کا مطلب ہے کہ اس کے دوسری جانب اسرائیلی فوج کا قبضہ ہے۔ اس کے ساتھ ہی غزہ کے اندر کی سمت فلسطینیوں کے لیے لائن کے ساتھ ساتھ "نو گو ایریا" قرار دیا گیا ہے۔ کوئی فلسطینی غلطی سے بھی اس نو گو ایریا میں چلا جاتا ہے تو اس پر فائرنگ کر دی جاتی ہے۔

جب حسنی اپنے بیٹے کو اس سمت جانے کے لیے بھاگا تو وہ پہلے اس نو گو ایریا کے

قریب جا چکا تھا۔ اسامہ کا گھر نسل کشی کے دنوں میں مکمل تباہ ہو چکا تھا۔ اس ملبے کے ڈھیر نما گھر میں اسامہ اپنے اہل خانہ، اپنی بیوی، والدہ اور جواد کے ساتھ رہائش پذیر تھا۔ اب جواد ہی ان کی آنکھوں کا تارا اور ماں کے دل کی ٹھنڈک تھا۔

جب اسامہ پر اسرائیلی فوج کی نظر پڑی تو لوگوں نے بتایا کہ اس کے ارد گرد فائرنگ شروع کر دی گئی حالانکہ وہ بفرزون یعنی نوگوایریا سے بھی دور تھا۔ "بیچارہ غریب اسامہ"۔ ایک پڑوسی نے یہ منظر دیکھ کر بے ساختہ کہا۔ اسامہ کو علم نہیں تھا کہ وہ کیا جرم کر رہا ہے، اس لیے وہ جواد کو کندھوں پر بٹھائے چلتا رہا۔ پڑوسیوں کا کہنا ہے کہ اسرائیل کا ایک کواڈ کاپٹر اس کے قریب آیا، تب اس نے اپنے بیٹے کو کندھوں سے اتارا اور فوج کی سمت چل دیا۔ فوج کے حکم پر اس نے اپنا لباس اتار دیا۔ وہ بالکل پر امن تھا۔ اس نے کسی جارحانہ رویے کا اظہار بھی نہیں کیا تھا۔

جب حسنی ابونصر کو علم ہوا کہ اس کا بیٹا اور جواد گرفتار کر لیے گئے ہیں تو اس نے بھاگم بھاگ الاقصیٰ شہداء ہسپتال کا رخ کیا۔ یہ دیر البلح کے علاقے میں ہے۔ اس نے ہسپتال والوں کو اپنا نمبر دے دیا اور درخواست کی کہ کوئی بھی اطلاع ملنے پر اس سے فوری رابطہ کیا جائے۔

جب جواد ابوناصر کو رہا کیا گیا تو اس کے کپڑے خون آلود تھے۔ اس ننھے سے بچے پر تشدد کیا گیا تھا۔ اسے انٹرنیشنل ریڈ کراس کمیٹی نے اس کے دادا کے حوالے کرتے ہوئے کہا تھا کہ وہ اعتراف کرے کہ اس کا بچہ مل گیا ہے۔ لوگوں نے بتایا کہ بچے کو ریڈ کراس کے

حوالے کرنے کا منظر یوں تھا کہ اسرائیلی فوجی اسے لیے مغازی کیمپ تک آئے تھے۔ اس کو حسنی نے ایک کمبل میں لپیٹ لیا۔ گھر پہنچ کر جب کمبل کو کھولا گیا تو اس کے ٹراؤزر کے اندر سگریٹ سے جلائے جانے کے نشانات جگہ جگہ تھے۔ میں نے دریافت کیا کہ یہ خون اس کے جسم کے کس حصے سے آ رہا ہے، انہیں ریڈ کراس کی خاتون نے بتایا کہ یہ بچے کے کندھے سے ابھی تک خون ٹپک رہا ہے۔

کمیٹی نے اس بات کی تصدیق کی کہ بچہ انہوں نے فوج سے حاصل کیا ہے، لیکن وہ بچے کو پہنچنے والے نفسیاتی اور جسمانی تشدد پر کوئی تبصرہ کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہیں۔ اس طرح ان کے کام میں رکاوٹ آتی ہے۔ انہوں نے فقط اتنا بتایا کہ ان کی ٹیمیں اسرائیلی فوج سے رابطے میں رہتی ہیں۔ تب 19 جون کا دن تھا۔ کمیٹی کی ایک ٹیم دیر البلح میں موجود تھی۔ اسے معلوم ہوا کہ یہ واقعہ ہوا ہے۔ ٹیم کسوفیم کراسنگ گئی، جب بچے کو ان کی گاڑی میں ڈالا گیا تا کہ اسے اس کی ماں کے حوالے وسطی غزہ میں کیا جائے تو ٹیم کو سخت ہدایات دی گئیں۔

تشدد کے نشانات: جب جواد کو گھر لایا گیا تو اہل خانہ اس سے پوچھتے رہے کہ بیٹا کیا ہوا ہے، وہ صرف ماں، ماں پکارتا رہا۔ یا وہ جسم کے مختلف حصوں پر انگلی سے بتاتا رہا۔

"خون، ماں، خون"

جب جواد سے دریافت کرنے کی کوشش کی گئی کہ تمہارے بابا کہاں ہیں، اس نے صرف یہ کہا "چلے گئے، چلے گئے۔" اس کی ماں نے جواد کو سینے سے لگایا تو وہ چیختا چلاتا رہا۔ وہ مسلسل اپنی ماں سے چمٹا رہا۔ ماں نے اس کے خون آلود کپڑے بمشکل اتارے تو

جسم پر تشدد کے نشان ان سب کے سامنے آئے۔ اس کی ٹانگوں پر جگہ جگہ سگریٹ سے جلائے جانے کے گہرے نشان تھے۔ یوں لگتا تھا کہ جو نشان بھرنے لگتا ہوگا، اسے ناخن یا چھری سے دوبارہ ہرا کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ اس کے زخموں کے گرد چھری کی نوک کے نشانات تھے۔

بچہ اس ساری رات درد سے چیختا اور خوف کے مارے چلاتا رہا۔ اسے اس کی ماں اور دوسرے اقرباء ہسپتال لے گئے یہ عید کا پہلا دن تھا۔ ابھی تک اسامہ کا کچھ پتہ نہیں تھا۔ جواد کے زخموں کو دیکھ کر دو ڈاکٹروں نے تصدیق کی کہ سگریٹ سے بچے کو بار بار جلایا گیا تھا۔ ہسپتال میں بچے کی تصویریں لی گئیں۔ میڈیکل رپورٹ میں بتایا گیا کہ بچے کا گھٹنہ اور ٹخنہ دونوں سوجے ہوئے تھے۔

اسامہ کے والد حسنی کا کہنا ہے کہ اس سے کچھ اگلوانے کے لیے اس کے بچے پر تشدد کیا گیا ہوگا۔ جب کوئی نتیجہ نہیں مل سکا تو بچے کو چھوڑ دیا گیا۔ اسرائیلی فوج کے ترجمان نے بچے پر تشدد سے یکسر انکار کر دیا۔ اس نے ان امور کو حماس کا پروپیگنڈہ قرار دے کر مسترد کر دیا۔ اس پر مستزاد ترجمان نے کہا کہ بچے کو اسامہ اس لیے ساتھ لے گیا ہوگا تا کہ اسے فوج کے خلاف انسانی ڈھال کے طور پر استعمال کرے اور فوج پر حملہ کر دے۔

❁⋯⋯❁⋯⋯❁

لرزہ خیز انکشافات

اُم فرید

یہ تو ان کا شیوہ ہے

غزہ ہوگیا عالمی سرخیوں سے اوجھل

غزہ آج بھی وہاں کھڑا ہے جہاں کل تھا تنہا، زخمی اور سسکتا ہوا.....

غزہ آج بھی وہاں کھڑا ہے جہاں کل تھا تنہا، زخمی اور سسکتا ہوا صرف اس فرق کے ساتھ کہ اب اس کی تکلیف عالمی سرخیوں میں نہیں، بلکہ صرف تاریخ کے خونی صفحات میں لکھی جا رہی ہے۔ جیسے جیسے مشرقِ وسطیٰ کا تزویراتی نقشہ تبدیل ہو رہا ہے اور عالمی سیاست کا مرکزِ ثقل، امریکہ اور اسرائیل کے درمیان پھیلتی ہوئی ایک ہمہ گیر جنگ، لبنان کے دہکتے ہوئے محاذ کی طرف منتقل ہو رہا ہے، بحیرہ روم کے ساحل پر فلسطینی زمین کا وہ لہو رنگ ٹکڑا غزہ عالمی ضمیر اور سرخیوں سے بتدریج اوجھل ہوتا جا رہا ہے۔

اکتوبر 2025ء میں جس جنگ بندی کا اعلان کیا گیا تھا، اسے ایک بڑی انسانی راحت اور بارود کے دھوئیں میں ایک وقفے کے طور پر دیکھا گیا تھا۔ لیکن زمین پر موجود حقائق ابھی بھی ایک ہولناک کہانی سنا رہے ہیں۔ وہاں بمباری اب بھی جاری ہے، انسانی بحران سنگین تر ہو چکا ہے، اور اس محصور علاقے میں زندگی ایک ایسی بے یقینی کے سائے میں گزر رہی ہے جہاں نہ کوئی قانون ہے اور نہ ہی تحفظ۔

اسی گھمبیر صورتحال کے ادراک کے لیے اسرائیل کے معروف اور نڈر انسانی حقوق کے ادارے بی تسلم کے ترجمان یائر دویر کا انٹرویو اس نسل پرست نظام کے پردے چاک کرنے کی ایک کوشش ہے جو علاقائی جنگوں کی آڑ میں ایک پوری قوم کو مٹانے پر تلا ہوا ہے۔

اسرائیل جیسے تشدد پسند معاشرے میں، جہاں ریاست کی پالیسیوں پر تنقید کو غداری

سے تعبیر کیا جاتا ہے، بی ٹسلم (انسانی حقوق کے لیے اسرائیلی معلومات مرکز) مقبوضہ فلسطینی علاقوں میں ایک ایسی اخلاقی آواز ہے جس کی مثال ملنا مشکل ہے۔ سال 1989 میں قائم ہونے والا یہ ادارہ محض ایک غیر سرکاری تنظیم نہیں، بلکہ یہ ایک ایسا مشن ہے جو اسرائیل کے اندر سے کام کرتا ہے۔ جس کا ماٹو ہے کہ ہر انسان کی جان اور حرمت برابر ہے۔ بی ٹسلم کا کام مقبوضہ فلسطینی علاقوں غزہ، مغربی کنارہ اور مشرقی یروشلم میں ہونے والی انسانی حقوق کی پامالیوں کی غیر جانبدارانہ دستاویز سازی کرنا ہے۔ یہ ادارہ ویڈیو شہادتوں، اعداد وشمار اور قانونی رپورٹوں کے ذریعے وہ سچ دنیا کے سامنے لاتا ہے جسے اسرائیلی پروپیگنڈا مشینری چھپانے کی کوشش کرتی ہے۔

اسرائیل کے اندر رہتے ہوئے اس کام کی بھاری قیمت چکانی پڑتی ہے۔ بی ٹسلم کے کارکنوں کو ففتھ کالمسٹ کہا جاتا ہے، ان پر جسمانی حملے ہوتے ہیں، اور پارلیمنٹ یعنی کنیسٹ میں ان کی فنڈنگ روکنے کے لیے قوانین بنائے جاتے ہیں۔ لیکن اس سب کے باوجود، بی ٹسلم نے کبھی سمجھوتہ نہیں کیا۔ ان کا سب سے بڑا کارنامہ وہ تاریخی رپورٹ تھی جس میں انہوں نے پہلی بار اسرائیل کو ایک اپارتھائیڈ یعنی نسل پرست ریاست قرار دیا، جو دریائے اردن سے بحیرہ روم تک یہودیوں کی برتری کے اصول پر قائم ہے۔

یائر دویر اس ادارے کا وہ چہرہ ہیں جو خشک اعداد وشمار کو انسانی جذبات اور عالمی قانون کی زبان دیتے ہیں۔ دویر ایک ایسی نسل کے نمائندے ہیں جو اسرائیلی نظام کے

اندر رہتے ہوئے اس کے تضادات کو قریب سے دیکھتی ہے۔ بطور ترجمان، ان کی ذمہ داری صرف پریس ریلیز جاری کرنا نہیں بلکہ عالمی برادری کو یہ باور کرانا ہے کہ جب دنیا واشنگٹن کی تزویراتی چالوں کو دیکھ رہی ہوتی ہے، تو غزہ کی گلیوں میں ایک ایک کر کے انسانیت دم توڑ رہی ہوتی ہے۔ دویر کا تجربہ دردناک اور لرزہ خیز ہے۔ ان کا ماننا ہے کہ لبنان کے ساتھ چھیڑی گئی جنگ دراصل اسرائیل کے لیے ایک سیاسی ڈھال بن گئی ہے۔ جس کے پیچھے وہ اپنے اس ایجنڈے کو پایہ تکمیل تک پہنچا رہا ہے جسے وہ عام حالات میں انجام نہیں دے سکتا تھا۔

گفتگو کے آغاز میں ہی یائر دویر نے ایک تلخ حقیقت کی طرف اشارہ کیا کہ جنگ بندی کے سات ماہ بعد بھی صورتحال بہتر ہونے کے بجائے بدتر ہو چکی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اکتوبر 2023ء سے اب تک اسرائیل نے تمام فلسطینیوں کے خلاف ایک ہمہ جہت جنگ چھیڑ رکھی ہے۔ غزہ میں نسل کشی اور مکمل مسماری ہو رہی ہے، مغربی کنارے میں نسلی صفائی کا عمل تیز ہے، اور خود اسرائیل کے اندر فلسطینیوں کے خلاف امتیازی سلوک کی جڑیں گہری ہو رہی ہیں۔ دنیا یہ سمجھ رہی ہے کہ توجہ ہٹنے سے ظلم رک گیا ہے، لیکن حقیقت میں اسرائیل اس خاموشی کو ایک ہتھیار کے طور پر استعمال کر رہا ہے۔

دویر نے بڑے کرب سے بیان کیا کہ لبنان کے محاذ نے اسرائیل کو ایک توجہ ہٹانے کی حکمت عملی فراہم کر دی ہے۔ جب عالمی میڈیا کے کیمرے بیروت پر گرنے والے

میزائلوں اور بموں کی طرف مڑ گئے، تو اسرائیل نے مغربی کنارے میں آباد کار یہودی ملیشیاؤں کو کھلی چھوٹ دے دی۔

ہم دیکھ رہے ہیں کہ آباد کار اور اسرائیلی فوج مل کر روزانہ فلسطینیوں پر حملے کر رہے ہیں۔ جنگ شروع ہونے کے بعد سے اب تک صرف آباد کاروں نے کئی فلسطینیوں کو شہید کیا، ان کے گھر جلائے اور ان کے مویشی لوٹ لیے۔ یہ وہ سچ ہے جو بڑی جنگوں کی سرخیوں میں دب گیا ہے۔ جنگ بندی کے معاہدے پر بات کرتے ہوئے دویر نے انکشاف کیا کہ اسرائیل نے اسے پہلے ہی دن سے پیروں تلے روند دیا تھا۔ اکتوبر 2025 کی جنگ بندی کے بعد سے اب تک 750 سے زائد فلسطینی شہید ہو چکے ہیں، جن میں سے 400 شہادتیں فروری 2026 میں اسرائیلی حملے کے دوران ہوئیں۔ دویر نے سب سے ہولناک انکشاف ییلو لائن یعنی پیلی لکیر کے حوالے سے کیا، جس کو اسرائیل نے کھینچ کر ایک بفر زون قائم کیا ہے۔ یہ وہ لکیر ہے جس نے غزہ کے جغرافیے کو ہمیشہ کے لیے بدل دیا ہے۔ ٹرمپ کے منصوبے کے تحت بنائی گئی اس لکیر نے غزہ کا آدھے سے زیادہ رقبہ عارضی طور پر اسرائیلی کنٹرول میں دے دیا ہے۔ سیٹلائٹ تصاویر بتاتی ہیں کہ اسرائیل نے اس لائن کے ساتھ ساتھ نئی مستقل فوجی چوکیاں قائم کی ہیں اور کلومیٹر طویل زمینی باڑ لگا دی ہے۔ اب 21 لاکھ انسانوں کو غزہ کے آدھے سے بھی کم رقبے پر ٹھونس دیا گیا ہے۔

وہ بتاتے ہیں کہ تقریباً 16 لاکھ لوگ شدید ترین فاقہ کشی کا شکار ہونے والے ہیں

کیونکہ اسرائیل نے امداد میں 80 فیصد تک کمی کر دی ہے۔

مارچ میں صرف 16 مریضوں کو علاج کے لیے باہر جانے دیا گیا، جبکہ 18 ہزار سے زائد زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا ہیں۔ یہ کوئی قدرتی آفت نہیں بلکہ ایک سوچی سمجھی انسانی تباہی ہے جو اسرائیل نے خود انجینئر کی ہے۔

بی ٹسلم کی جانب سے غزہ مہم کو نسل کشی قرار دینے کے سوال پر دویر نے قانونی باریکیوں پر روشنی ڈالی۔ ان کے بقول، کسی بھی کارروائی کو نسل کشی ثابت کرنے کے لیے ارادہ سب سے اہم ہوتا ہے۔ آپ کو کہیں دور جانے کی ضرورت نہیں، صرف اسرائیلی قیادت کے بیانات دیکھ لیں۔ جب وزراء کھلے عام کہتے ہیں کہ غزہ میں کوئی معصوم نہیں، جب وہ فاقہ کشی کو بطور ہتھیار استعمال کرنے کا اعلان کرتے ہیں اور جب وہ عبرانی میڈیا پر فخر سے کہتے ہیں کہ وہ پورے شہروں کو مٹا دیں گے، تو ارادہ واضح ہو جاتا ہے۔ 70 ہزار سے زائد ہلاکتیں، جن میں اکثریت خواتین اور بچوں کی ہے، ہسپتالوں کی تباہی اور صحافیوں کا قتل محض اتفاق نہیں ہے۔ یہ ایک پوری قوم کو مٹانے کا طے شدہ منصوبہ ہے۔

مغربی کنارے کی صورتحال کا ذکر کرتے ہوئے یائر دویر کی آواز میں غصہ اور دکھ صاف جھلکتا تھا۔ وہ کہتے ہیں کہ اب اسرائیلی فوج اور یہودی مسلح آبادکاروں کے درمیان فرق مٹ چکا ہے۔ آج یہ پہچاننا مشکل ہے کہ کون آبادکار ہے اور کون فوجی۔ آبادکار اب فوجی وردیاں پہن کر اور ریاست کے دیے ہوئے ہتھیاروں سے فلسطینیوں کو ان کے

گھروں سے بے دخل کر رہے ہیں۔ اب تک 59 فلسطینی کمیونٹیز کو ان کی زمینوں سے صاف کیا جا چکا ہے۔

ان کا ماننا ہے کہ اسرائیل اس وقت مغربی کنارے کو مکمل طور پر ضم کرنے کی دوڑ میں ہے تاکہ تیس لاکھ فلسطینیوں کو الگ تھلگ جزیروں میں قید کر دیا جائے اور پورے علاقے پر یہودی برتری کو قانونی شکل دے دی جائے۔ یہ سب کچھ اس لیے ممکن ہو رہا ہے کیونکہ دنیا کی نظریں لبنان کے محاذ پر لگی ہیں۔

لبنان کی صورتحال پر بات کرتے ہوئے دویر نے ایک خطرناک حقیقت کی طرف اشارہ کیا۔ انہوں نے کہا کہ اسرائیل کے وزیرِ دفاع نے خود تسلیم کیا ہے کہ وہ جنوبی لبنان میں رفح اور بیت حانون ماڈل دہرا رہے ہیں۔

اس کا مطلب ہے: بے دریغ بمباری، آبادی کی جبری منتقلی اور دیہاتوں کو ملبے کے ڈھیر میں بدلنا۔ اسرائیل کو لگتا ہے کہ اسے ایک ایسا لائسنس مل گیا ہے جہاں وہ جو چاہے کر سکتا ہے کیونکہ عالمی برادری اسے روکنے میں ناکام رہی ہے۔

جنوبی لبنان کے کئی قدیم دیہات اب صرف تاریخ کا حصہ بن چکے ہیں۔

جب ان سے عالمی اداروں اور آئی سی سی یعنی عالمی فوجداری عدالت کے بارے میں پوچھا گیا تو دویر نے نہایت مایوسی کا اظہار کیا۔ ان کا کہنا تھا کہ غزہ میں جس طرح اسرائیل کو استثنیٰ دیا گیا ہے، اس نے عالمی احتسابی نظام کی بنیادیں ہلا دی ہیں۔ ہم انسانی

حقوق کے عالمی اصولوں کو اپنی آنکھوں کے سامنے دم توڑتے دیکھ رہے ہیں۔

یہ صرف فلسطینیوں پر حملہ نہیں ہے، بلکہ یہ اس عالمی قانون کے تصور پر حملہ ہے جس کے تحت ہم سب کو تحفظ ملنا تھا۔ اس کی قیمت آج فلسطینی چکا رہے ہیں، کل پوری انسانیت چکائے گی۔

یائر دویر نے ہندوستان اور گلوبل ساؤتھ کے دیگر ممالک کے کردار پر بھی بات کی۔ انہوں نے کہا کہ وہ حکومتیں جو نسل کشی کے اتنے عرصے بعد بھی اسرائیلی پالیسیوں کی حمایت کر رہی ہیں، وہ اپنے ہی اخلاقی وجود کو کھو رہی ہیں۔

گلوبل ساؤتھ کے عوام اب حقیقت جان چکے ہیں۔ انہیں اپنی حکومتوں پر دباؤ ڈالنا چاہیے کہ وہ اس ناانصافی کو ختم کرانے میں اپنا کردار ادا کریں۔ اسرائیل وہ جمہوریت نہیں ہے جس کا وہ دعویٰ کرتا ہے، بلکہ ایک ظالم اپارتھائیڈ یعنی نسل پرست نظام ہے۔

گفتگو کے اختتام پر دویر نے اسرائیلی معاشرے کی نفسیاتی کیفیت کا نہایت گہرا تجزیہ پیش کیا۔ انہوں نے کہا کہ اسرائیلی معاشرہ ایک ایسے نظام کے تحت پروان چڑھ رہا ہے جہاں بچپن سے ہی فوجی برتری اور فلسطینیوں کی تذلیل سکھائی جاتی ہے۔ غزہ میں نسل کشی اس لیے ممکن ہوئی کیونکہ ہم نے عشروں سے اپنے ذہنوں میں فلسطینیوں کو انسان ماننا چھوڑ دیا تھا۔ ریاست کی پروپیگنڈا مشینری نے لوگوں کو یہ یقین دلا دیا ہے کہ ان کی بقا دوسروں کی تباہی میں ہے۔

ان کے اس بیان نے مجھے چونکا دیا کہ کہیں اس وقت ہندوستان میں ہندو فرقہ پرست کی طرف سے جس طرح مسلمانوں کو ایک باضابطہ پلان کے تحت مفروضوں کو لے کر ایک ویلن کے بطور اکثریتی فرقے کے سامنے پیش کیا جارہا ہے کہیں یہ اسی ماڈل کی تیاری تو نہیں ہے؟

یائر دویر کی یہ گفتگو ایک ایسی یاددہانی ہے کہ جب دنیا تزویراتی چالوں، میزائلوں اور واشنگٹن کی ڈپلومیسی میں الجھی ہوتی ہے، تو کہیں دور، ایک محصور پٹی میں انسانیت سسک سسک کر دم توڑ رہی ہوتی ہے۔

بی ٹسلم کا یہ ترجمان ہمیں خبردار کر رہا ہے کہ غزہ کی خاموشی دراصل عالمی ضمیر کی موت ہے۔ اگر آج ہم نے ان چیخوں کو نہ سنا جو بڑی جنگوں کے شور میں دب گئی ہیں، تو تاریخ ہمیں کبھی معاف نہیں کرے گی۔

یہ انٹرویو صرف ایک صحافتی تحریر نہیں، بلکہ ایک ایسی حقیقت کا نوحہ ہے جسے دنیا نے اپنی سہولت کے لیے بھلا دیا ہے۔ غزہ آج بھی وہاں کھڑا ہے جہاں کل تھا تنہا، زخمی اور سسکتا ہوا صرف اس فرق کے ساتھ کہ اب اس کی تکلیف عالمی سرخیوں میں نہیں، بلکہ صرف تاریخ کے خونی صفحات میں لکھی جارہی ہے۔

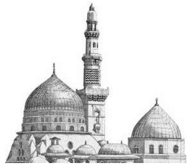

نعت شریف

محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فدائی ہوں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رہنما میرے
میں امت ہوں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیشوا میرے
خدایا بھیج دے مجھ کو مدینے کی طرف جلدی
میں اپنا حال بتلاؤں وہاں غمخوار ہیں میرے
محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جدائی کے سہوں میں کب تلک صدمے
ٹھنڈک میری آنکھوں کی ہیں وہ نورِ بصر میرے
نکیرین آ کے مرقد میں جو پوچھیں گے کہ مَنْ هٰذَا
کہوں گی ابنِ عبداللہ محمد رضی اللہ عنہا مصطفیٰ میرے
تیرے صدقے میرے آقا تیرے قدموں کے صدقے سے
خدا دھو دے سبھی دفتر سیاہ کاری جو ہوں میرے
میرے چھوٹے بڑے شیدا ہیں تم پر یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
میری اولاد قرباں اور فدا ماں باپ ہیں میرے
میں کہتی ہوں یہ رو رو کر سنو اے قافلے والو!
مجھے بھی ساتھ لے جاؤ وہاں سردار ہیں میرے

جماعت یہ مسلمانوں کی سب لبیک کہتی ہے
چلے مہمان گھر اس کے جو سید ابرار ہیں میرے
محمد ﷺ کی شفاعت کی سبھی امید رکھتے ہیں
گروں گی میں بھی قدموں پر کہ خالی ہاتھ ہیں میرے
محمد ﷺ تیری گلیوں میں پھروں گی مثلِ مجنوں میں
کہ حجرہ میں خوابیدہ صاحبِ معراج ہیں میرے
میں کہتی ہوں کہ اے لوگو! مجھے لِلّٰہ بتلاؤ
کہ ختم المرسلین ﷺ کا گھر ساقی کوثر جو ہیں میرے
شہنشاہوں کے شاہوں سے یہی ہے آرزو میری
بلا لو اب مدینے میں کہ دم دوچار ہیں میرے
شہ لولاک کی بستی منقش دل پر ہے میرے
حرم کے پانچ دروازے مفرح قلب ہیں میرے
خوشا قسمت کبوتر ہیں جو مجھ سے لے گئے بازی
گٹکتے بولتے صَلِّ عَلیٰ خَتمِ المُرسَلیں ﷺ میرے
میری ڈوبی ہوئی کشتی خدایا بحر عصیاں میں
نکالیں گے میرے آقا وہی ہیں ناخدا میرے!

کلام: محترمہ بلقیس صاحبہ مرحومہ، والدہ ماجدہ حضرت مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی رحمہ اللہ تعالیٰ

(1944ء میں سفر حج کے موقع پر یہ نظم لکھی گئی)

اُخت اطہر

مکروہ عزائم کی تکمیل

پھانسی کا قانون اور فلسطینی

اسرائیلی پارلیمنٹ نے ایک قانون کی منظوری دی ہے۔ اس قانون کے ذریعے فلسطینیوں کے لیے موت کی سزا طے کی گئی ہے۔ یہ ایسے فلسطینیوں کو دی جائے گی جو اسرائیلی حکومت کے خیال میں بالخصوص طبقات میں دہشت گردی کے حملے کریں گے جس میں جان جاسکتی ہو۔

اس قانون کی بین الاقوامی برادری نے، انسانی حقوق کے اداروں اور اقوامِ متحدہ کی کونسل برائے انسانی حقوق نے سخت الفاظ میں مذمت کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ فلسطینیوں کے خلاف امتیازی قانون ہے۔ ان کے مطابق اس قانون کی منظوری سے اسرائیل نے نسل پرست انتظامیہ (Apartheid) کے کردار کو مزید گہرا کر لیا ہے۔ یہ قانون اسرائیل کے کسی بھی یہودی شہری پر لاگو نہیں ہوگا۔ اس کی منظوری پر اس کے لیے کام کرنے والے سیاست دانوں اور یہودیوں میں جشن کا سماں پیدا ہوا ہے۔ اس قانون نے صیہونیت کے کردار کو مزید خون آلود بنا دیا ہے۔

اس قانون کی منظوری پر فوری طور پر فرانس، جرمنی، اٹلی اور امریکہ نے شدید خدشات ظاہر کیے ہیں۔ بہت سے ممالک نے اس قانون کو نسل پرست قرار دیا ہے جس کے الفاظ اور دفعات سے فلسطینیوں کو نشانہ بنانے کے عزائم کا کھل کر اظہار کیا گیا ہے۔ وزرائے خارجہ نے اس قانون کے بارے میں ایک مشترکہ بیان جاری کیا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ اس قانون کے شدید امتیازی کردار نے فلسطینیوں کے خلاف استعمال ہونے سے تشویش بڑھی ہے جو جمہوری اصولوں کی خلاف ورزی کرتا ہے۔ اس سے مجموعی اقدار سے وابستگی کے اظہار اور انسانی حقوق کے سلب کیے جانے کے امکانات بڑھے ہیں۔ ایمنسٹی انٹرنیشنل نے صریحاً ہی اس قانون کے پیش کیے جانے پر قرار دیا تھا کہ "موت کی سزا" کے اس قانون سے اسرائیل نے نسل پرست کردار میں خود کو مزید کھل کر پیش کیا ہے۔

ہیومن رائٹس واچ نے بھی اسے ابتدائی طور پر اپنی رپورٹوں میں فلسطینیوں کے

خلاف امتیازی اقدام قرار دیا ہے۔ اسرائیلی حکام کے موقف کو مسترد کیا گیا ہے جن کا کہنا ہے کہ موت کی سزا دینے کی وجوہات دیئے جانے کا قانون بالکل درست ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ اسرائیل میں رہنے والوں میں امتیاز پیدا کرتا ہے۔ یہ اسرائیل کے دو مروجہ اور مبنی قانون اور نظام کی بدبختی سے نقاب ہٹاتا ہے۔ اس کا اصل مقصد اسرائیل کے فلسطین پر ناجائز قبضے کے خلاف اٹھنے والی آوازوں کو خاموش کرنا ہے۔

ہیومن رائٹس واچ کے ڈائریکٹر برائے مشرقِ وسطیٰ نے اقوامِ متحدہ کو بتایا ہے کہ موت کی سزا کو ایک بار استعمال کرنے کی سزا کو لازمی قرار دیا گیا ہے جو ایک بار کسی کو دے دی گئی تو پھر اس کا فیصلہ واپس نہیں ہوسکتا۔ اس اعتبار سے یہ اور بھی ظالمانہ بن جاتا ہے۔ اس کے اپیل کے حق پر کڑی پابندیاں لگا کر اور 90 دنوں میں اس پر عمل درآمد کی شرط نے فلسطینیوں کی زندگی خطرات سے بھر دی ہے، خواہ اس کے خلاف کسی اپیل کے فیصلے سے قبل ہی سزا نہ دی جائے۔

اس قانون کا بل پیش کرنے والے وزراء اتحاد نے اس کے پارلیمان سے آسانی سے اور کامیابی سے پاس ہونے پر زبردست خوشی کا اظہار کیا۔ پارلیمان اور اس کی لابی میں شیمپین شراب کی بوتلیں کھول کر پی گئیں، نیتن یاہو نے اس بارے میں کہا کہ جب کہ وہ اپنے چیمبر میں موجود تھا اور اس نے پارلیمان کے ارکان کو مبارک باد دی۔

صحافیوں نے یہ سوال اٹھایا ہے کہ ایسے قانون کی منظوری پر بظاہر ارکان کو مبارک باد دینے والے نیتن یاہو اپنے چیمبر میں بیٹھا رہا جو بہت انوکھی بات ہے۔ ان کا کوئی بیان

سوائے مبارک باد کے سامنے نہیں آیا۔کیا وہ واقعی اپنے چیمبر میں موجود تھا؟۔

قانون صریحاً غلطی

اسرائیلی بہت سے حلقے اسرائیل کے اندر اور باہر یہ سوال بار بار اٹھا رہے ہیں کہ فوجی عدالتوں میں صرف فلسطینیوں کے مقدمات ان حالات میں پیش کیے جا رہے ہیں کہ وہ قابض انتظامیہ کے قبضے میں ان عدالتوں میں لڑے جائیں گے۔اس قانون کا زیادہ تر اطلاق صرف مغربی کنارے کے لیے کسی بھی فلسطینی پر ہوگا جس پر یہ الزام ہو کہ اس نے ریاست کے خلاف دہشت گردی کا ارتکاب کیا ہے، کسی کو قتل کیا ہے، سیکیورٹی ارکان کو نشانہ بنایا ہے، اسرائیلی قبضے کے خلاف مزاحمت کی ہے وغیرہ۔

عدالت سے سزا پانے والوں کی تعداد بھی ظاہر نہیں کی جائے گی۔ادارہ کے عدالتی نظام میں یہ قانون بھی ہے کہ سزا پانے والوں کی تعداد کو ظاہر نہ کیا جائے، اب یہ قدغن لگا دی گئی ہے کہ وہ ملٹری ٹرائل کے ان افراد کی تعداد ظاہر نہیں کی جائے گی جن کو اس قانون کے تحت پھانسی دی جائے گی۔اب تک مغربی کنارے کے جو افراد ملٹری کے قانون کے تحت فیصلے دیے گئے ان میں سے 99.74 فیصد عدالتوں میں سزائیں دی گئی تھیں۔

اسرائیلی آباد کار (Settlers) یہودیوں کا معاملہ اس قانون سے الگ رکھا گیا ہے۔لندن ریویو سے نگار ڈین کے مطابق مروجہ تازہ قانون کے تحت جن مقدمات کی سماعت جاری ہے اور کسی کو ابھی پھانسی نہیں دی گئی ہے۔اس قانون کے تحت ان اسرائیلی شہریوں کے ساتھ بھی نرمی کا سلوک کیا جائے گا۔اگر کوئی اسرائیلی کسی فلسطینی کو قتل کرے گا تو

اسے موت کی سزانہیں دی جائے گی بلکہ یہ جج کا اختیار ہوگا کہ ایسے اسرائیلی کوعمر قید کی سزا دے۔

فلسطینیوں کے خلاف سماعت کرنے والی عدالتوں کے خلاف دیے گئے فیصلے حتمی قرار پائیں گے۔ انہیں عمر قید نہیں دی جائے گی۔ وہ سزائے موت کے مستوجب ہوں گے۔ اسرائیل میں حقوق کا مطالعہ کرنے والے ایک گروپ یش دین (Yesh Din) کے مطابق یہودی آبادکاروں کے خلاف مقدمات عام سول عدالتوں میں بھیجے جائیں گے۔ ان کو سزائے موت نہیں دی جائے گی۔ وہ مغربی کنارے میں مربوط و منظم طریقے سے بستے ہیں جہاں کسی بھی فلسطینی کو قتل کر دیں۔ ان کا مقدمہ فوجی عدالت میں چلے گا۔ جبکہ اگر کوئی مشرقی بیت المقدس کا کوئی بھی فلسطینی کسی اسرائیلی کو موت کے گھاٹ اتار دے، اس کا مقدمہ فوجی عدالت میں چلے گا اور اسے موت کی سزا دی جائے گی۔ 2024 اور 2025 کے دو سالوں میں آبادکار یہودیوں کے خلاف مقدمات میں سے 93.8 فیصد بری کر دیے گئے تھے۔

ماضی کی کہانی

اسرائیل کے 2018 کے نیشن اسٹیٹ لاء کے مطابق اسرائیل کو پہلے ہی نسل پرست قرار دے دیا گیا تھا، جس کے بعد یہ کہا جاتا تھا کہ اسرائیل لازمی طور پر ایک یہودی ریاست ہے۔ اس میں یہودیوں کو کہیں سے بھی لا کر آباد کرنا ایک قومی مقصد ہے۔ نقادوں کا کہنا ہے کہ اس طرح کسی بھی فلسطینی کی شہریت کا درجہ خود بخود کم ہو گیا۔ بقایا جواب بھی

دوسرے درجے کے شہری ہیں۔ اس وقت اسرائیل کے اندر وہ کل آبادی کے 20 فیصد ہیں۔ان کو برابری کا درجہ حاصل نہیں ہے۔

اپنی پوری کوششوں کے باوجود نیتن یاہواور وزیرِ خزانہ بیزلیل سموٹریچ مغربی کنارے کواسرائیل میں ضم کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکے۔ان کوفوج کی مکمل حمایت بھی میسر رہی ہے۔اسرائیل کے ڈیموکریٹ انسٹی ٹیوٹ کے سزائے موت اور جمہوری ریاست کے سینئر فیلوایمی کانی کرمین کے مطابق بین الاقوامی قانون کے تحت ایساممکن نہیں ہو سکے گا کہ مغربی کنارے کواسرائیل کا حصہ قرار دے دیا جائے۔ اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی نے 2022 میں بھاری اکثریت سے قرار دیا تھا کہ مغربی کنارے اور مقبوضہ مشرقی بیت المقدس (جسے اسرائیل مشرقی یروشلم کہتا ہے) سے اسرائیل کا قبضہ ایک سال میں ختم کیا جائے۔ اس قرارداد نے ایک مشاورتی رائے کی بھی حمایت کی تھی جس کے تحت اسرائیل کے قبضے کوغیر قانونی قرار دیا گیا تھا۔ یہ مشاورتی رائے انٹرنیشنل کورٹ برائے جسٹس نے دی تھی۔

اسی طرح سے اسرائیل میں ایسوسی ایشن آف سول رائٹس نے اعلان کیا تھا کہ وہ اس معاملے پر پہلے ہی سے اسرائیل کی ہائی کورٹ سے رجوع کر چکی ہے۔اس ایسوسی ایشن نے بھی اسرائیل کے اقدامات کوامتیازی قرار دیا تھا۔اس کے تحت اسرائیل کو یہ حق ہی حاصل نہیں ہے کہ وہ مغربی کنارے کے بارے میں کوئی بھی قانون بنا سکے۔اس طرح اسرائیل کا موجودہ قانون بھی مغربی کنارے پر نافذ نہیں کیا جا سکتا۔اس کے تحت کسی ایسے فلسطینی کوسزائے موت نہیں دی جا سکتی جس کا تعلق مغربی کنارے سے ہو۔بجز اسرائیلی شہری کو یہ سزا دی جا سکتی ہے۔

ہیومن رائٹس واچ اور ایمنسٹی انٹرنیشنل سمیت حقوقِ انسانی کی تنظیموں نے ہمیشہ ایک بات دنیا کے سامنے رکھی ہے کہ فلسطینیوں اور آبادکار یہودیوں پر قوانین کا اطلاق کرتے ہوئے برابری کا خیال نہیں رکھا جاتا۔

فلسطینی موجودہ قانون کے تحت زندگی گزار رہے ہیں جبکہ آبادکار یہودیوں پر سول قانون نافذ کیا جاتا ہے، اس طرح دو متوازی نوعیت کے نظام ہائے قانون نافذ کیے جاتے ہیں۔ حقوقِ انسانی کے گروپوں کا کہنا ہے کہ ان دو متوازی نظاموں میں فلسطینیوں سے امتیازی سلوک روا رکھا جاتا ہے۔ مارچ 2022 کے موجودہ قانون کی منظوری کے وقت اسرائیل کی جیلوں اور نظر بندی کیمپوں میں سخت تشدد کے حالات سے نو ہزار آٹھ فلسطینی گزر رہے تھے۔ ان میں سے نصف تعداد کو "نظر بندی" کے عارضی قانون کے تحت گرفتار کیا گیا تھا۔ ان قوانین میں زیرِ حراست بچوں کا معاملہ بہت سنگین ہے۔ اس بارے میں بہت سے بین الاقوامی مبصرین اور انسانی حقوق کے گروہ اپنے شدید تحفظات اور تشویش کا اظہار کر چکے ہیں۔ ان بچوں سے ان کے والدین کی عدم موجودگی میں تفتیش کی جاتی ہے۔ ان کو اکثر معاملات میں قانونی امداد بھی لینے نہیں دی جاتی۔ یہ خود اسرائیل کے اپنے قوانین کی صریحاً خلاف ورزی ہے۔

یہ سارے اقدامات سیاسی ہیں۔ ان میں قانون کا استعمال کبھی شدید سیاسی مقاصد اور عدالت میں کیا جاتا ہے۔ اسرائیل کی قابض انتظامیہ اس خوف میں مبتلا ہے کہ اگر ایسے قوانین کا نشانہ نہ بنایا گیا تو فلسطینی اپنی آزادی اور دیگر حقوق کے لیے اٹھ کھڑے ہوں گے۔

محمد شہید

شوقِ شہادت

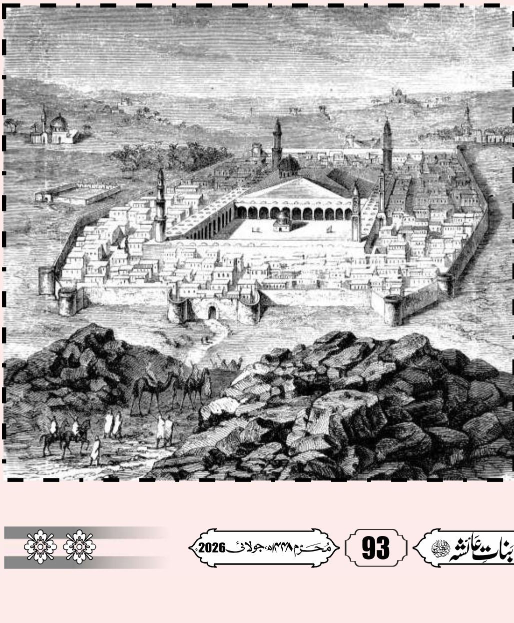

محرم الحرام کا مہینہ بلاشبہ شہادتوں کا موسم ہے۔

اس مہینے کی یکم تاریخ کو امیر المؤمنین خلیفۂ دوم سیدنا حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی شہادت کا المناک سانحہ پیش آیا۔اسی ماہ کی دس تاریخ کو نواسۂ رسول، جگر گوشۂ بتولؓ سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا جاں گداز واقعہ پیش آیا۔ یہ دونوں واقعات ایسے ہیں جنھوں نے تاریخ اسلام پر گہرے نقوش چھوڑے اور صدیوں بعد بھی ان گہرے زخموں کا درد اور کسک محسوس کی جاسکتی ہے۔

رحمتِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات نے جہاں مسلمانوں کیلئے زندگی کو قیمتی بنایا اور اس کو گزارنے کیلئے وہ طور طریقے سکھائے جن کی بدولت انسانی حیات کی قدر و قیمت میں اضافہ ہوا تو وہاں ہی ایک مسلمان کی موت کو بھی بہت اعلیٰ اور ارفع بنا دیا۔ اگر ایک مسلمان دین کی خاطر اپنی گردن کٹواتا ہے اور اپنے لہو کا نذرانہ راہِ الٰہی میں پیش کرتا ہے تو وہ ایسا انمول اور بے بہا ہو جاتا ہے کہ لاکھوں زندگیاں بھی اُس کی ظاہری موت پر قربان کی جاسکتی ہیں۔ سعادت کی زندگی اور شہادت کی موت دونوں ہی اسلام کا نصب العین اور طرّہ امتیاز ہیں۔

قرآن وسنت نے شہادت کے جو فضائل بتائے اور اس پر جو انعاماتِ الٰہی گنوائے، اُن پر یقین رکھنے والے حضرات کی ایسی بے مثال جماعت تیار ہوئی جن کیلئے شہادت سے بڑھ کر اور کوئی انعام نہیں تھا۔ اُن کے سپہ سالار برسرِ میدان دشمنوں کو کہتے تھے:

''اللہ کی قسم! میرے ساتھ وہ لوگ ہیں جو موت سے ایسی محبت رکھتے ہیں جیسے تم لوگ شراب کو محبوب رکھتے ہو۔''

آئیں! صحابہ کرامؓ کے شوقِ شہادت کی صرف دو جھلکیاں ملاحظہ کر لیتے ہیں:

(۱) سید الشہداء حضرت حمزہؓ کے بھانجے عبداللہؓ بن جحش اور سعد بن ابی وقاصؓ دونوں گہرے دوست تھے۔ جنگ احد شروع ہونے سے پہلے عبداللہ نے سعد سے کہا، آؤ دونوں کہیں الگ تنہائی میں بیٹھ کر اللہ سے کچھ مانگیں اور ایک دوست دوسرے کی دعا پر آمین کہے۔

سعد فرماتے ہیں کہ ہم دونوں نے ایک گوشہ تنہائی تلاش کیا اور ایک طرف جا کر بیٹھ گئے۔ پھر میں نے دعا مانگی کہ اے اللہ آج ایسے دشمن سے مقابلہ ہو جو نہایت شجاع، دلیر اور بہادر ہو، بہت غصیلا بھی کہ غصہ میں آ کر مجھ پر حملہ کرے، پھر میں اس کا اور وہ میرا مقابلہ کرے پھر اس کے بعد مجھے اس پر غلبہ عنایت فرما یہاں تک کہ میں اسے قتل کر دوں۔ عبداللہ سعد کی دعا پر آمین کہتا رہا۔

پھر عبداللہ نے دعا مانگنا شروع کی کہ اے اللہ آج ایسے دشمن سے میرا مقابلہ ہو جو نہایت سخت ہو، زور آور اور غصے کا تیز ہو۔ وہ مجھ پر حملہ کرے اور اے اللہ میں محض تیری ذات کیلئے اس پر حملہ کروں۔ آخر کار وہ مجھے قتل کر دے۔ میری ناک کاٹ لے۔ میرے کان کاٹ دے اور میرے پروردگار جب میری اور تیری ملاقات ہو تو، مجھ سے پوچھے

عبداللہ، تیری ناک اور تیرے کان کہاں گئے؟ تو میں عرض کروں تیری اور تیرے پیغمبر علیہ السلام کی راہ میں کاٹ دیئے گئے تھے، اور اے اللہ تو کہہ دے کہ عبداللہ تو نے سچ کہا۔

سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں یہ لفظ ہے کہ عبداللہ بن جحش نے دعا مانگی اور کہا۔

''اے اللہ میں تجھے قسم دیتا ہوں کہ میں تیرے دشمنوں کا مقابلہ کروں پھر وہ مجھے قتل کردیں۔ میرا پیٹ چاک کردیں، میری ناک کاٹ دیں اور کان کاٹ لیں اور پھر جب آپ سے ملاقات ہو اور آپ مجھ سے پوچھیں ایسا کیوں ہوا؟ تو میں کہہ دوں محض تیری خاطر''

سعد اس دعا پر آمین کہتے رہے۔

عبداللہ کو اپنی اس دعا کی قبولیت کا اس قدر یقین ہوگیا تھا کہ وہ تھوڑی دیر بعد یہ کہنے لگے۔ میرے اللہ میں تیری قسم کھاتا ہوں کہ میں ضرور تیرے دشمنوں سے لڑوں گا یہاں تک کہ وہ مجھے قتل کردیں گے اور پھر میری ناک اور کان کاٹ لیں۔

معرکہ کارزار شروع ہوا، اور پہلے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی دعا کے آثار قبولیت نمایاں ہوئے۔ انہوں نے مکہ مکرمہ کے ایک قریشی سردار کو قتل کیا۔

پھر عبداللہ بن جحش نے جو کچھ مانگا تھا، پورا ہوا، وہ اس جوش سے لڑے کہ تلوار ٹوٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہوگئی، دیر تک لڑتے رہے۔ پھر ابوالحکم ابن اخنس ثقفی سے مقابلہ ہوا اور

اس کے ایک وار نے تمنائے شہادت کی تکمیل کر دی۔ مشرکین نے ناک کاٹی پھر کان کاٹ ڈالے اور دھاگے میں پرو دیئے۔ سعد رضی اللہ عنہ نے یہ منظر دیکھا تو بے اختیار کہنے لگے۔ اللہ کی قسم عبد اللہ تیری دعا میری دعا سے اچھی تھی۔

اس دعا کی قبولیت اللہ تعالیٰ کے ہاں اس قدر بھرپور طریقے سے ہوئی کہ مسلمانوں میں ان کا نام عبد اللہ بن جحش المجدع فی سبیل اللہ (عبد اللہ بن جحش، وہ جس کے ناک اور کان اللہ کے راستے میں کاٹے گئے) پڑ گیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنازہ پڑھایا اور اس ''المجدع فی سبیل اللہ'' کو اپنے چچا سید الشہداء حمزہ رضی اللہ عنہ کے ہمراہ ایک ہی قبر میں دفن کر دیا۔ (اسد الغابہ)

(۲) بیعت عقبہ ثانیہ کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار میں سے بارہ نقیب منتخب فرمائے۔ ان میں سے نو کا تعلق خزرج سے تھا اور تین کا قبیلۂ اوس سے۔ اوس کے سرداروں میں سے ایک سعد بن خیثمہ بھی تھے۔ سعد خود بھی صحابہ میں سے تھے اور یہی شرف ان کے والد حضرت خیثمہ کو بھی حاصل تھا۔ غزوۂ بدر کیلئے جب صحابہ کرام مدینہ منورہ سے نکل رہے تھے تو ان کے والد نے کہا:

''بیٹا عورتوں اور بچوں کی حفاظت کیلئے ہم میں سے ایک کا گھر پر ٹھہرنا ضروری ہے تم یہ قربانی دو اور مجھے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ جانے دو۔''

اس پر حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اپنے والد محترم کو جو جواب دیا وہ ان کے ایمان

اور اللہ سے گہرے تعلق کی روشن دلیل ہے۔ سعد نے بالکل انکار کر دیا اور کہنے لگے:

''ابو جنت کے علاوہ اگر کوئی اور معاملہ ہوتا، تو میں یہ قربانی دیتا، لیکن مجھے اللہ سے پوری امید ہے کہ وہ اس سفر میں مجھے شہادت نصیب فرمائے گا۔''

باپ نے بیٹے کی یہ بات سننے سے انکار کر دیا اور بحث شروع ہوگئی۔ دونوں موت کی آغوش میں جانے کیلئے بے قرار ہیں اور پھر ہر ایک کی تمنا یہ ہے کہ کسی بھی طور وہ حق بندگی ادا کرے، قضیہ پھیلتا چلا گیا اور آخر کار باپ اور بیٹے نے قرعہ اندازی کا فیصلہ کرلیا کہ جس کا بھی نام نکلے اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے سمجھ کر قبول کرلیا جائے۔ قرعہ اندازی ہوئی تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا نام نکل آیا۔ شاداں وفرحاں ''بدر'' کی طرف روانہ ہوئے۔

اس پہلی رزم حق و باطل میں جن حضرات کو شہادت کی عظمت سے سرفراز فرمایا گیا ان میں سے ایک یہ بھی تھے۔ بدر میں پہنچے تو طعیمہ بن عدی سے مقابلہ ہوا۔ جس چیز پر قرعہ اندازی کی وہ مل گئی اور جس جنت کو وہ دیکھ رہے تھے اللہ تعالیٰ نے انہیں وہاں پہنچا دیا۔

کوئی آدمی اللہ تعالیٰ کیلئے اس قدر آسانی سے نہ صرف یہ کہ جان دے دے بلکہ اس مقصد کیلئے باپ بیٹے میں قرعہ اندازی ہونے لگے۔ اس دور میں یہ معاملہ سمجھنا اور سمجھانا بہت مشکل ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ ہم نے زندگی کو موت پر ترجیح دے رکھی ہے، جبکہ انہوں نے موت کو زندگی پر ترجیح دی تھی۔ ہمیں تو زندگی گزارنے کا ڈھنگ نہیں آتا انہیں جینے اور مرنے کے اصول وقواعد، اسباب وعلل تمام حقیقتیں معلوم تھیں، جن عظیم مقاصد

کی تکمیل وہ کرنا چاہتے تھے۔ ان کا یقین اس راہ کی دشواریاں آسان کردیتا تھا۔ ہم اس یقین کا ذکر تو کیا کریں ان مقاصد ہی کی خبر نہیں جن کیلئے وہ اپنی جان پر کھیل گئے۔ علامہ اقبال نے ایسے ہی حضرات کے بارے میں کہا تھا۔ ؎

اس کی امیدیں قلیل اس کے مقاصد جلیل
اس کی ادا دل فریب اس کی نگہ دل نواز
نرم دم گفتگو گرم دم جستجو
رزم ہو یا بزم ہو پاک دل و پاک باز

حضرت سعدؓ بدر میں شہید ہوئے اس کے ایک سال بعد احد کا کارزار گرم ہوا۔ باپ خیثمہ رضی اللہ عنہ جو قرعہ اندازی میں رہ گئے تھے، اپنے بیٹے کو خواب میں دیکھا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مبارکہ میں حاضر ہوئے اور عرض کیا۔

''اللہ کے رسول میں نے کل رات اپنے بیٹے کو خواب میں دیکھا، نہایت حسین وجمیل شکل میں ہے جنت کے باغات اور نہروں میں سیر وتفریح کررہا اور کہتا ہے ابو آپ بھی یہیں آجائیں۔ دونوں جنت میں اکٹھے رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے جو مجھ سے وعدہ کیا تھا وہ پورا ہوگیا۔''

اپنی بات مکمل کی اور عرض کیا:

''یارسول اللہ! مجھے بدر میں شرکت کی تمنا تھی، اس سعادت کو حاصل کرنے کیلئے مجھ

میں اور میرے بیٹے میں قرعہ اندازی ہوئی، وہ جیت گیا، اس کے نام قرعہ نکلا اور وہ شہید ہو گیا، میں رہ گیا، اس کا بہت افسوس ہے''

پھر اپنی عمر کا حال بیان کیا اور تمنا کی وہی عرض کی کہ......

''اللہ کے رسول اب بیٹے سے ملنا چاہتا ہوں۔ بوڑھا ہو گیا ہوں، ہڈیاں کمزور ہو گئی ہیں اور اب تمنا یہ ہے کہ کسی طرح اپنے پروردگار سے جا ملوں۔ یا رسول اللہ دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ شہادت نصیب فرمائے اور میں اپنے بیٹے سعد سے جنت میں جا کر مل لوں۔''

اس سچی طلب، جہاد کی تڑپ اور شہادت کی تمنا کیلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دعا کرنے میں کیا چیز مانع ہو سکتی تھی۔

ابن قیم فرماتے ہیں:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کیلئے دعا فرما دی اور وہ احد میں شہید ہوئے۔''

باپ جو بوڑھا ہو چکا تھا، جس کی ہمت جواب دے رہی تھی اپنے بیٹے سعد کے پاس جنت میں پہنچ گیا۔ وہ خود بوڑھا تھا مگر شوق شہادت جوان تھا۔ جسم کمزور تھا مگر عزائم مضبوط تھے۔ جان سے باپ بیٹا دونوں گزر گئے مگر آن قائم رکھی۔

اپنے بعد میں آنے والوں کو یہ نصیحت سکھانے کیلئے کہ
جس دھج سے کوئی مقتل میں گیا وہ شان سلامت رہتی ہے
یہ جان تو آنی جانی ہے اس جان کی تو کوئی بات نہیں

انہی اہل عزیمت کے وارث آج بھی کشمیر کے کوہساروں میں، افغانستان کے برف پوش پہاڑوں میں، فلسطین کے گلی کوچوں میں اور عراق و شام کے شہروں دیہاتوں میں جسموں پر اسلحہ سجائے اور دلوں میں آرزوئے شہادت لئے وقت کے ستم پیشہ کفار سے برسرِ پیکار ہیں۔ آفرین ہے ان جوانوں پر جن کی جوانیاں قبلۂ اوّل کی حفاظت کیلئے، حرمین شریفین کے تحفظ کیلئے، بلادِ اسلامیہ کی آزادی کیلئے اور سب سے بڑھ کر فریضۂ جہاد کی بقاء اور آبیاری کیلئے کام آرہی ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہیں ''فاروقی'' اور ''حسینی'' کہلانا سجتا ہے اور تاریخ میں عظمت و عزت کے تاج انہی پیشانیوں کا حسین جھومر بنیں گے۔

شہادتوں کا موسم پورے جوبن پر ہے، آزمائش کے طوفان پوری شدت سے رواں دواں ہیں، کفر کی آندھیاں مخلص و منافق اور کھرے وکھوٹے میں خطِ امتیاز کھینچ رہی ہیں۔ ایسے میں تاریخِ اسلام کے لاکھوں شہداء کا خون مسلمانوں کو اُن کی عزت اور آزادی کی راہ دکھا رہا ہے۔

صلاءِ عام ہے یارانِ نکتہ داں کیلئے

تہِ خاک ہم تو اکیلے رہیں گے

اکبر الہٰ آبادی مرحوم

ہمیں کیا جو تُربت پہ میلے رہیں گے
تہِ خاک ہم تو اکیلے رہیں گے
گل و غنچہ و سرو کھلتے رہیں گے..........مہکتے گلاب اور بیلے رہیں گے
بہت سے گرو اور چیلے رہیں گے..........بڑے عرس ہوں گے، جھمیلے رہیں گے
ہمیں کیا جو تُربت پہ میلے رہیں گے
تہِ خاک ہم تو اکیلے رہیں گے

تنیں گے اگر شامیانے ہمیں کیا..........رہیں گے جوگانے بجانے ہمیں کیا
بنیں گے جو نقار خانے ہمیں کیا..........کھلیں گے اگر قہوہ خانے ہمیں کیا

ہمیں کیا جو تُربت پہ میلے رہیں گے
تہِ خاک ہم تو اکیلے رہیں گے

اگر دوست احباب آئیں ہمیں کیا..........ہوئے جمع اپنے پرائے ہمیں کیا
کوئی روئے آنسو بہائے ہمیں کیا..........پڑے ہوں گے ہم منہ چھپائے ہمیں کیا

ہمیں کیا جو تُربت پہ میلے رہیں گے
تہِ خاک ہم تو اکیلے رہیں گے

بہن بھائی سب آکے رویا کریں گے..........عزیز، اقربا جان کھویا کریں گے
ہمیں آنسوؤں میں ڈبویا کریں گے..........پڑے بے خبر ہم تو سویا کریں گے

ہمیں کیا جو تُربت پہ میلے رہیں گے
تہِ خاک ہم تو اکیلے رہیں گے

کسی نے ہمارا کیا غم تو کیا ہے؟..........اگر کوئی ہو چشم پُر نم تو کیا ہے؟
کرے حشر تک کوئی ماتم تو کیا ہے؟..........نہیں ہونگے جب سامنے ہم تو کیا ہے؟

ہمیں کیا جو تُربت پہ میلے رہیں گے
تہِ خاک ہم تو اکیلے رہیں گے

غنی ہوں گے اہلِ توکل بھی ہوں گے..........بہت بلبلیں آئیں گی، گل بھی ہوں گے

اگر ہوں گی قوالیاں، قُل بھی ہوں گے..........بڑی دھوم ہوگی، بہت غل بھی ہوں گے

ہمیں کیا جو تُربت پہ میلے رہیں گے

تہِ خاک ہم تو اکیلے رہیں گے

کوئی پھول چادر چڑھاتا رہے گا..........کوئی شمعِ تُربت جلاتا رہے گا

تعلق جو دنیا سے جاتا رہے گا..........نہ رشتہ رہے گا نہ ناتا رہے گا

ہمیں کیا جو تُربت پہ میلے رہیں گے

تہِ خاک ہم تو اکیلے رہیں گے

حسینوں کے ڈیرے بھی گلزار ہوں گے..........رئیسوں امیروں کے دربار ہوں گے

پُراہل تماشا سے بازار ہوں گے..........ہمارے لئے سب یہ بے کار ہوں گے

ہمیں کیا جو تُربت پہ میلے رہیں گے

تہِ خاک ہم تو اکیلے رہیں گے

ہے جیسا عجب تاج گنج آگرے کا..........جو اکبر ہوا اپنا بھی ایسا ہی روضہ

زیارت کرے جس کی آ آ کے دنیا..........ہو سب کچھ، مگر یہ تو فرمایئے گا

ہمیں کیا جو تُربت پہ میلے رہیں گے

تہِ خاک ہم تو اکیلے رہیں گے

اُخت فیصل

اسرائیلی ظلم

قابض اسرائیل کی فرعون سے محبت

معصوم بچوں کے خون سے لکھی گئی ایک بھیانک تاریخ
غزہ سے لبنان تک شام سے کشمیر تک....

معصوم بچوں کے خون ناحق سے تسکین حاصل کرنے والے صہیونیوں کی لہو کی پیاس کب ختم ہوگی؟

غزہ کی پٹی پر مسلط کی گئی قابض اسرائیل کی سفاکانہ جنگ میں ہزاروں فلسطینی بچوں کا بہتا ہوا خون زمین کی پکار بن چکا ہے، لیکن اس انسانیت سوز درندگی کی گہرائی میں ایک ایسی ذہنیت کارفرما ہے جواب پردہ سیمیں سے باہر آ رہی ہے۔

ایک عبرانی زبان میں لکھی گئی تحریر، جسے سوشل میڈیا پلیٹ فارم ایکس پر شیئر کیا گیا اور بعدازاں حذف کر دیا گیا، ان خوفناک الفاظ پر مبنی تھی:

" جنگ میں اس نقطہ نظر کو اپنانا چاہیے... اگر اعلیٰ حکام تک رسائی ناممکن ہو تو بچوں کو نشانہ بنایا جائے۔"

یہ تحریر ایک اسرائیلی ماہرِ تعلیم اور تل ابیب یونیورسٹی کے انسٹی ٹیوٹ فار نیشنل سکیورٹی اسٹڈیز کی رکن اوریت پیرلوف کی ہے، جو اس اخلاقی اور مذہبی پستی کا عکاس ہے جہاں تک یہ جنگ پہنچ چکی ہے۔

درحقیقت، یہی وہ خونی ماڈل ہے جو پہلے غزہ میں آزمایا گیا، جہاں اقوام متحدہ کے اعداد و شمار کے مطابق 14 ہزار سے زائد معصوم بچے شہید کیے گئے اور اب اسی فرعونیت کو دیگر خطوں اور کشمیر کی سرزمین پر دہرانے کی زہریلی تجویز دی جا رہی ہے۔"

اگرچہ ایسی گفتگو کی سنجیدگی پر اکثر بحث ہوتی ہے، لیکن ایک ایسا بیان ہی ان کے اندر چھپی اس فاسد ذہنیت کو بے نقاب کرنے کے لیے کافی ہے جو قتل عام اور بچوں کے ذبح کو ایک

"مقدس" فریضہ سمجھتی ہے۔ یہاں مسئلہ صرف کسی ماہرِ تعلیم کے جذباتی غصے کا نہیں، بلکہ یہ ایک سوچی سمجھی منصوبہ بندی ہے، ایک ایسا فلسفہ قتل ہے جو اپنے کرتوتوں کو جواز فراہم کرنے کے لیے تاریخی قصوں کو توڑ مروڑ کر پیش کرتا ہے۔ قابض اسرائیل اور امریکہ نے اپنے حملوں کا آغاز ہمیشہ بچوں کو موت کے گھاٹ اتار کر کیا، مگر ان کے قتل پر ندامت کا ایک لفظ تک نہیں سنا گیا۔ وہی بچیاں جو کبھی افغانستان میں سکول نہ جانے کے نام پر عالمی ہمدردی کا مرکز بنی تھیں، آج اسرائیلی بمباری میں لوتھڑے بن کر بکھر گئیں تو دنیا نے اپنی آنکھیں اور ضمیر دونوں بند کر لیے۔

ان تحریف شدہ مذہبی بیانات کا طوفان غزہ میں جاری نسل کشی کے ہر واقعے کے ساتھ جڑا ہوا ہے۔ یہ خطابات ہمیں ایک ایسے مقام پر لے آئے ہیں جہاں مذہبی نصوص کا استعمال تاریخی یا اخلاقی سبق کے لیے نہیں بلکہ "قتل کے رہنما اصول" بنانے کے لیے کیا جا رہا ہے۔ آج متن کو سمجھنے کے لیے نہیں پڑھا جاتا، بلکہ اسے اپنے مظالم کو مذہبی سند دینے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ یہاں تاویل اور حکمت عملی کا فرق ختم ہو چکا ہے۔

یاد رکھیے، تاریخ میں فرعون کے ہاتھوں بنی اسرائیل کے بچوں کے قتل کی داستان اس لیے نہیں تھی کہ اسے نمونہ بنایا جائے، بلکہ وہ ایک ایسی تنبیہ تھی جو ظالم کو اس کے انجام سے خبردار کرتی تھی۔

مگر جدید مغربی تہذیب نے اس عبرت کو ایک سفاک حکمت عملی میں بدل دیا ہے۔ یہ تبدیلی محض متن کے ساتھ بگاڑ نہیں، بلکہ انسانی اخلاقیات کے انحطاط کی انتہا ہے۔ توقع تو یہ

تھی کہ مظلومیت کا احساس ایک عالمی اخلاقی آواز بن کر ابھرتا، مگر یہ ایک ایسی تنگ نظر شناخت کی سیاست میں بدل گیا جہاں دوسرے کے لیے اخلاقی ذمہ داری کا کوئی تصور باقی نہیں رہا۔ یہی صہیونی غ طرسہ کا اصل چہرہ ہے۔

ہم اس جواز کو کبھی تسلیم نہیں کر سکتے کہ" سب ایسا ہی کرتے ہیں" ۔ ہم جنگ میں ایسا کبھی نہیں کریں گے۔ کہ ان کی نسل کشی کریں۔ یہ ہمارا وہ فرق ہے جو ہمیں انسان بناتا ہے۔

بنی اسرائیل کے بیٹے اور تاریخ کا عبرتناک عکس

فرعون کا بنی اسرائیل کے بیٹوں کو قتل کرنا محض ایک سکیورٹی پالیسی نہ تھی، بلکہ وہ ایک پوری قوم کی نسل ختم کرنے کا وجودی حملہ تھا۔ اس نے خطرہ ان بچوں میں دیکھا جو ابھی پیدا ہوئے تھے، اس ڈر سے کہ وہ بڑے ہو کر اس کے تخت کو ہلا دیں گے۔ مگر قدرت کا فیصلہ دیکھیے! اسی فرعون نے اپنی ہی آغوش میں اس موسیٰ علیہ السلام کو پالا جو اس کے زوال کا سبب بنے۔ ظلم ہمیشہ اپنے ہی مدِ مقابل کو جنم دیتا ہے۔ آج کی سب سے بڑی ستم ظریفی یہ ہے کہ جو قوم فرعون کے ظلم کو سہنے کے بعد تاریخ میں ابھری، آج خود فرعونی ہتھکنڈوں کی علمبردار بن چکی ہے۔

یادداشت: مظلوم سے ظالم تک کا سفر

یہ تبدیلی محض ایک تضاد نہیں، بلکہ یادداشت کا ایک خوفناک کھیل ہے۔ یادداشت اگر اخلاقی تنبیہ نہ رہے اور اسے" استحقاق کا دعویٰ" بنا دیا جائے، تو یہ تشدد کا سب سے بڑا ذریعہ بن جاتی ہے۔ غزہ میں بیسیوں ہزار بچوں کی شہادتیں، سویلین علاقوں پر حملے الگ تھلگ

واقعات نہیں، بلکہ یہ سب ایک ہی فرعونی منطق کا اظہار ہیں: "خطرہ پیدا ہونے سے پہلے ہی مستقبل کو تباہ کر دو۔"

آج کا قابض اسرائیل ثابت کر رہا ہے کہ غزہ میں بچوں کی لاشوں کے ڈھیر، ہسپتالوں اور سکولوں کی بربادی محض ایک جنگی حادثہ نہیں، بلکہ یہ ان کے عقائد کی عملی تفسیر ہے۔

علی عزت بیگووچ کا وہ سنہری قول آج ہمیں پھر یاد آ رہا ہے کہ "دشمن کے ساتھ مشابہت اختیار کرنا محض ایک اخلاقی ہار نہیں، بلکہ ایک وجودی تبدیلی ہے۔" جب آپ دشمن کی طرح سوچنا اور عمل کرنا شروع کر دیتے ہیں، تو آپ اپنی اصل شناخت کھو دیتے ہیں۔

آج غزہ میں بچوں کی شہادت کا ایک اعداد و شمار میں بدل جانا یہ بتاتا ہے کہ یہ برائی کس قدر عام ہو چکی ہے۔ عادت تشدد کی سب سے مہلک شکل ہے، کیونکہ ایک خاص حد کے بعد یہ ایک خودکار مشین کی طرح کام کرنا شروع کر دیتی ہے...

جہاں ضمیر نام کی کوئی چیز باقی نہیں رہتی۔

کیا واقعی یہ سب کچھ محض ایک کھیل ہے؟ یا ہر معصوم بچے کی شہادت ایک ایسی تاریک تسکین کا باعث بنتی ہے جس کی بھوک فرعونوں کی رگوں میں دوڑ رہی ہے؟

❁……❁……❁

8

دعاؤں کی قبولیت کے سنہرے واقعات

أم احمد عبد الرحمن

30۔ اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے آپریشن کیجئے

شفاء اللہ تعالیٰ ہی عطا کرتا ہے۔ ہم اکثر یہ الفاظ دہراتے ہیں۔ قرآنِ مجید کی یہ آیت بھی عموماً ہسپتالوں اور دیگر جگہوں پر آویزاں ہوتی ہے:

﴿وَإِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِينِ﴾

''اور جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہی مجھے شفاء عطا کرتا ہے۔'' (الشعراء:80)

لیکن اس کا صحیح مفہوم مجھے ایک نومولود بچے کے والد نے سمجھایا۔اس کے پختہ ایمان اور اللہ تعالیٰ پر کامل بھروسہ نے مجھے جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ایک ڈاکٹر بیان کرتا ہے:

میرے سامنے ایک معصوم بچہ تھا۔جس کی عمر نو دن تھی۔لیکن اس معصوم کو کئی امراض لاحق تھے۔مگر سب سے خطرناک بات یہ تھی کہ اس کے دل میں سوراخ تھا اور اس کے دل کی کیفیت ایسی تھی کہ فوری آپریشن کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔اتنے معصوم بچے کے دل کا آپریشن۔۔۔یہ تصور ہی بندے کو لرزا دینے کے لیے کافی تھا۔اس بات کے امکانات بہت زیادہ تھے کہ اس طرح کا آپریشن بچے کے لیے جان لیوا ثابت ہوگا۔ایسے نوزائیدہ بچے کے دل کے آپریشن کے بارے میں سوچتے ہی ایک گھبراہٹ سی طاری ہو جاتی تھی۔لیکن جب بچے کے والد سے میری بات ہوئی تو میری حیرت کی انتہا نہ رہی۔وہ بہت پر اعتماد لہجے میں کہنے لگا: کیا آپ کو اس بات کا ڈر ہے کہ بچہ فوت ہو جائے گا،آپ کے ہاں فوت ہونے والے مریضوں کی فہرست میں ایک نام کا اضافہ ہو جائے گا،آپ کے کیریئر پر حرف آئے گا؟۔

میں نے کہا: ایسی کوئی بات نہیں۔وہ کہنے لگا: پھر آپ اللہ کا نام لے کر آپریشن شروع کیجئے۔شفاء آپ کے ہاتھ میں ہے نہ میرے ہاتھ میں؛ اگر اس کی زندگی ہے تو یہ ضرور زندہ رہے گا۔اگر اللہ تعالیٰ نے اس کی زندگی اتنی ہی رکھی ہے تو دنیا کا کوئی آپریشن یا علاج اسے زندگی نہیں دے سکتا:

﴿فَإِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ لَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُونَ﴾

''جب ان کی موت کا مقررہ وقت آجاتا ہے تو وہ ایک گھڑی بھی آگے پیچھے نہیں

ہوسکتی۔'' (الأعراف: 34)

یہ کلمات میرے دل میں تیر کی طرح لگے۔ میری کیفیت ایسی تھی جیسے کوئی شخص خوابِ غفلت سے ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا ہو۔ میں نے کہا: **واللہ!** آپ نے سچ کہا ہے۔ میں شفا دینے والا کون ہوتا ہوں۔ ہم ڈاکٹر تو محض ایک ذریعہ ہیں۔ پھر میں یہ ذریعہ بننے میں کیوں بخل سے کام لوں۔ ہوگا وہی جو اللہ تعالیٰ نے اس نوزائیدہ بچے کے لیے طے کر رکھا ہے۔

آپ جانتے ہیں پھر کیا ہوا؟ میں نے اللہ تعالیٰ پر اعتماد اور بھروسہ کرتے ہوئے آپریشن شروع کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک ایسے مشن میں کامیابی دی جس کے امکانات نہ ہونے کے برابر تھے۔ اب اس بچے کو گھر کے باغیچے میں کھیلتا دیکھ کر اس آیت پر میرا ایمان مزید پختہ ہو جاتا ہے:

﴿وَإِذَا مَرِضۡتُ فَهُوَ يَشۡفِينِ﴾

''اور جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہ مجھے شفا دیتا ہے'' (الشعراء:80)

اللہ تعالیٰ ہی وہ ذات ہے کہ جب انسان کی ہڈیاں بھی خاک ہو جاتی ہیں وہ اسے دوبارہ زندہ کرتا ہے۔ تمام امور کی چابیاں اسی کے مبارک ہاتھ میں ہیں۔ انسان کس قدر عاجز اور تنگ نظر ہے وہ صرف اسباب کے بارے میں سوچتا ہے اور مسبب الاسباب کو بھول جاتا ہے۔

31۔ تمہارے جیسے بے بس انسان سے کیا مانگوں

ابوغیاث اپنے وقت کے بہت بڑے عالم دین، عابد اور زاہد تھے۔ وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ بجالانے والے اور دنیا کے کسی حکمران سے نہ ڈرنے والے تھے۔

وہ کثرت سے دعائیں مانگتے اور ہر مرحلہ پر اپنے رب سے مدد طلب کرتے تھے۔ بخارا شہر کے رہنے والے ابوغیاث ایک دن اپنے بھائی سے ملنے جا رہے تھے۔ راستے میں ان کا سامنا بخارا کے گورنر نصر بن احمد کے بعض غلاموں سے ہوگیا۔ وہ گورنر کی ایک پر شکوہ دعوت کے انتظامات میں مصروف تھے۔ ابوغیاث نے خود کلامی کے انداز میں کہا: اگر تم نے آج بھی حق گوئی کا موقع ضائع کر دیا تو تم بھی ان کی زیادتیوں میں شریک سمجھے جاؤ گے۔ انہوں نے آسمان کی طرف منہ اٹھایا۔ اللہ سے دعا کی۔ اس سے مدد طلب کی اور لاٹھی لے کر ان غلاموں پر چڑھ دوڑے۔ یہ لوگ اس ناگہانی آفت سے گھبرا کر محل کی طرف بھاگ کھڑے ہوئے۔ انہوں نے جا کر گورنر کو ساری صورت حال بتائی۔ گورنر نے ابوغیاث کو بلا بھیجا۔ جب وہ دربار میں حاضر ہوئے تو گورنر ان سے مخاطب ہو کر بولا:

آپ کو پتا ہے جو شخص خلیفہ کے خلاف بغاوت کرتا ہے اس کا ناشتہ قید خانے میں ہوتا ہے۔ ابوغیاث کہنے لگے: تمہیں پتا ہے جو اللہ کے خلاف بغاوت کرتا ہے اس کا کھانا جہنم میں ہوتا ہے۔ گورنر نے پوچھا: آپ کو کس نے محتسب بنایا ہے؟ انہوں نے جواب دیا: جس نے آپ کو گورنر بنایا ہے۔ گورنر نے کہا: مجھے تو خلیفہ نے گورنر بنایا ہے۔ ابوغیاث نے کہا: مجھے خلیفہ کے رب نے محتسب بنایا ہے۔ گورنر کہنے لگا: میں آپ کو سمرقند کا محتسب مقرر کرتا ہوں۔ ابوغیاث کہنے لگے: میں خود کو اس عہدہ سے معزول کرتا ہوں۔ گورنر نے کہا آپ عجیب آدمی ہیں جب آپ کو محتسب نہیں بنایا گیا تو آپ محتسب بن گئے اور جب سرکاری طور پر آپ کو محتسب بنایا جا رہا ہے تو آپ بننے کے لیے تیار نہیں؛ انہوں نے کہا: اگر آپ مجھے

محتسب بنائیں گے تو آپ مجھے معزول بھی کر سکتے ہیں لیکن جب اللہ تعالیٰ نے مجھے محتسب بنایا ہے تو کوئی مجھے معزول نہیں کر سکتا۔ گورنر نے لاجواب ہو کر بات کا رخ موڑتے ہوئے کہا: اگر کوئی ضرورت ہو تو مجھے بتاؤ۔ ابوغیاث کہنے لگے: آپ مجھے میری جوانی لوٹا دیں۔ گورنر کہنے لگا: یہ تو میرے بس میں نہیں، اگر کوئی اور ضرورت ہو تو بتائیں۔ ابوغیاث کہنے لگے: آپ جہنم کے داروغے 'مالک' کے نام ایک تحریر لکھ دیں کہ وہ مجھے جہنم میں داخل نہ کرے۔ گورنر کھسیانا ہو کر کہنے لگا: یہ بھی میرے بس میں نہیں۔ کوئی اور ضرورت ہو تو بتائیں۔ ابوغیاث کہنے لگے: پھر آپ جنت کے نگران 'رضوان' کے نام ایک تحریر لکھ دیں کہ وہ مجھے جنت میں داخل کر لے۔ گورنر شرمندہ ہو کر کہنے لگا: یہ بھی میرے بس میں نہیں۔

ابوغیاث کہنے لگے: تو پھر آپ جیسے بے بس آدمی سے کیا مانگنا، میں اپنی ساری حاجتیں اس ذاتِ باری کے سامنے کیوں نہ پیش کروں، جس نے کبھی مجھے خالی ہاتھ نہیں لوٹایا۔ گورنر کہنے لگا: آپ تشریف لے جا سکتے ہیں۔

(تربیۃ الاولاد فی الإسلام، عبداللہ علوان: 1/477۔)

32۔ ام حرام بنت ملحان رضی اللہ عنہا کے لیے دعائے نبوی

"سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ اس واقعہ کے راوی ہیں۔ ان کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کبھی قبا جاتے، ام حرام بنت ملحان کے ہاں بھی جاتے۔ عبادہ بن صامت کی اہلیہ ام حرام بنت ملحان آپ کو کھانا کھلاتیں۔ ایک روز آپ ان کے ہاں گئے۔ انہوں نے آپ کو کھانا کھلایا۔ کھانا

کھا کر آپ تھوڑی دیر کے لیے انہی کے گھر سو گئے۔ کچھ دیر میں آپ ہنستے ہوئے بیدار ہوئے۔ ام حرام بنت ملحان رضی اللہ عنہا نے پوچھا: "اے اللہ کے رسول! کیا بات ہے، آپ ہنس رہے ہیں؟"

فرمایا: "میری امت کے کچھ افراد مجھے دکھائے گئے ہیں۔ وہ اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے جائیں گے۔ سمندر کی لہروں پر وہ یوں سوار ہوں گے جیسے بادشاہ تخت پر بیٹھتے ہیں۔"

بنت ملحان رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: "اللہ سے دعا کیجیے کہ وہ مجھے بھی ان میں شامل کر دے۔" آپ نے انہیں دعا دی اور دوبارہ سر رکھ کر سو گئے۔ تھوڑی دیر میں پھر ہنستے ہوئے جاگے۔

ام حرام رضی اللہ عنہا نے ہنسنے کی وجہ دریافت کی۔ فرمایا: "میری امت کے چند اور افراد مجھے دکھائے گئے ہیں۔ وہ اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے جائیں گے۔ سمندر کی لہروں پر وہ یوں سوار ہوں گے جیسے بادشاہ تخت پر براجمان ہوتے ہیں۔"

بنت ملحان نے عرض کی: "اللہ سے دعا کیجیے کہ وہ مجھے بھی ان میں شامل کر دے۔"

فرمایا: "تم پہلے لشکر میں شامل ہو۔"

چنانچہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں وہ کشتی پر سوار ہو کر مجاہدین کے ہمراہ روانہ ہوئیں۔ کشتی سے اتر کر جس جانور پر سوار ہوئیں، اس سے گریں اور اللہ کو پیاری ہو گئیں۔ (صحیح البخاری، حدیث: 2878)

33۔ بڑھیا کی دعا

ایک بہت سرمایہ دار شخص عارضہ قلب میں مبتلا ہوا تو علاج کے لیے بیرون ملک چلا گیا۔

جس ہسپتال میں اس نے علاج کروانا شروع کیا وہ اس ملک کا سب سے اعلیٰ اور مہنگا ترین ہسپتال تھا۔ مگر یہاں پر بھی علاج کے باوجود اسے افاقہ نہ ہوا اور حالت دن بدن بگڑتی چلی گئی۔ ڈاکٹروں نے بتایا کہ سرجری کے علاوہ اس کا کوئی علاج نہیں اور اس آپریشن کی کامیابی کے بارے میں بھی یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ لیکن فوری آپریشن کے سوا کوئی چارہ بھی نہیں۔

جب اس نے یہ بات سنی تو ڈاکٹروں سے کہا مجھے کچھ دنوں کی مہلت دیں، میں اپنے ملک میں جا کر اپنے گھر والوں، اعزہ واقارب اور احباب سے ملنا چاہتا ہوں۔ پتا نہیں آپریشن کے بعد انہیں دیکھ سکوں گا یا نہیں۔ ڈاکٹروں نے اس کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے اجازت تو دے دی لیکن اسے بتایا کہ آپ جتنی جلدی واپس آجائیں گے اتنا ہی آپ کے حق میں بہتر ہوگا۔

وہ اپنے ملک لوٹ آیا۔ یہاں اپنے گھر والوں کے ساتھ کچھ وقت گزارا...... احباب سے ملا۔ کچھ ضروری امور نمٹائے اور سفر پر جانے کی تیاری کرنے لگا۔ سفر پر جانے سے پہلے وہ اپنے ایک دوست کے ساتھ قریبی مارکیٹ میں گیا۔ اس کا گزر ایک قصاب کی دکان کے پاس سے ہوا۔ اس نے دیکھا کہ ایک بڑھیا گوشت کے بچے کھچے ٹکڑے اور ہڈیاں اکٹھی کر رہی ہے۔ اس بڑھیا کی غربت اور ناداری دیکھ کر اس کے دل کو دھچکا سا لگا۔ اس نے عورت کو آواز دی اور نہایت احترام سے پوچھا:

اماں جان! یہ آپ کیا کر رہی ہیں؟ وہ کہنے لگی: میں ایک غریب عورت ہوں اور اپنی تین بیٹیوں کے ساتھ انتہائی تنگی اور عسرت سے گزارا کرتی ہوں۔ کئی کئی دن ہمیں کھانا

نصیب نہیں ہوتا۔ گوشت تو مدتوں سے چکھا ہی نہیں۔

جب اس نے یہ بات سنی تو کہنے لگا: اماں میرے ساتھ چلیں۔ وہ اسے ساتھ لے کر اسی قصاب کی دکان پر گیا اور قصاب سے کہا: اس عورت کو جتنے گوشت کی ضرورت ہے اسے دے دو۔ عورت نے کہا: ہمارے لیے ایک کلو گوشت کافی ہوگا۔ اس نے کہا: کہ اس اماں کو دو کلو گوشت دے دو اور ہر ہفتے اسے دو کلو گوشت دے دیا کرو۔ پھر اس نے ایک سال کی رقم ایڈوانس میں یک مشت ادا کر دی۔ اس مسکین بڑھیا نے اسی وقت اپنے ہاتھ اٹھائے اور اس کے لیے دعا کرنی شروع کر دی۔ جتنی دعائیں اس بڑھیا کے دل و دماغ میں آسکتی تھیں وہ سب اس نے کر ڈالیں۔ اس شخص کے لیے بڑھیا کے دل کی اتھاہ گہرائیوں سے دعائیں نکل رہی تھیں۔ بڑھیا کی دعاؤں کا سلسلہ ابھی منقطع نہیں ہوا تھا کہ اس شخص نے اپنے اندر تبدیلی محسوس کی۔ اسے محسوس ہوا کہ اس کا مرض کم ہو رہا ہے اور اس کی حالت بہتر ہو رہی ہے۔ جب وہ گھر واپس آیا تو اس کا اپنی بیٹی سے سامنا ہوا۔ اس کی بیٹی اسے دیکھ کر کہنے لگی: ابا جان! ماشاءاللہ آج تو آپ بڑے تر و تازہ اور صحت مند نظر آ رہے ہیں۔ اس نے اپنی بیٹی کو پیش آنے والا واقعہ بتایا۔ بیٹی بہت خوش ہوئی اور اپنے والد کے لیے دعا کرنے لگی: یا اللہ! میرے والد کو صحت عطا فرما۔ جس طرح میرے والد نے اس بڑھیا کی مشکل دور کی میرے والد کی مصیبت بھی دور فرما۔

پھر اس نے دوبارہ رختِ سفر باندھا اور ہسپتال پہنچ گیا۔ آپریشن سے پہلے جب اس کا میڈیکل چیک اپ کیا گیا تو ڈاکٹروں کی حیرت کی انتہا نہ رہی۔ میڈیکل کی تاریخ میں ایک عجوبہ ہو چکا تھا۔ اس کا دل بالکل ٹھیک کام کر رہا تھا اور اس کا مرض بالکل ختم ہو چکا تھا۔

ڈاکٹروں کی زبانوں پر بے شمار سوال تھے۔ یہ کیسے ممکن ہے؟ اس کیفیت میں مبتلا شخص بغیر آپریشن کے کیسے صحت یاب ہو گیا؟ سب کے جواب میں اس نے آسمان کی طرف نظریں اٹھائیں۔ اس کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز تھیں۔ وہ رقت آمیز لہجے میں کہنے لگا: اس ارحم الراحمین نے مجھے شفا دی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ یہ شخص زندگی کی نسبت موت کے زیادہ قریب تھا۔ اپنے گھر والوں اور عزیز و اقارب کو الوداع کہنے آیا تھا کہ بڑھیا کا واقعہ پیش آ گیا۔ جب مسکین بڑھیا کے لیے اس کا دل نرم ہو گیا تو عرشِ عظیم کے اوپر ایسی ذات ہے جو سب سے بڑھ کر رحم کرنے والی اور سخی ہے۔ وہ رحمن اور رحیم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے شفقت فرماتے ہوئے اس کی بیماری کو دور کر دیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سچ فرمایا ہے:

"اِرْحَمُوا مَنْ فِي الْأَرْضِ، يَرْحَمْكُمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ" ''آپ زمین والوں پر رحم کریں، آسمان والا آپ پر رحم کرے گا۔'' (سنن الکبریٰ للبیہقی: 9/41)

فرمانِ باری تعالیٰ ہے: ﴿إِنَّ رَحْمَتَ اللَّهِ قَرِيبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِينَ﴾ ''اللہ کی رحمت احسان کرنے والوں کے قریب ہے۔'' (الأعراف: 56)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مَنْ أَرَادَ أَنْ تُسْتَجَابَ دَعْوَتُهُ وَأَنْ تُكْشَفَ كُرْبُهُ، فَلْيُفَرِّجْ عَنْ مُعْسِرٍ، ''جو شخص چاہتا ہے کہ اس کی دعائیں قبول ہوں اور اس کے مصائب دور ہوں اسے مصیبت زدگان کی مدد کرنی چاہیے۔''

(مسند الإمام أحمد: 8/372) (جاری ہے)

اُخت زاہر

فلسطین کی کہانی

فلسطینی نسل کشی۔سب ہاتھوں نے پہن رکھے ہیں دستانے

یونان کے بحری جہاز اسرائیل کو اپنی شناخت چھپا کر اسلحہ پہنچاتے ہیں۔وہ ایسے سگنلز بھی دیتے ہیں جن سے ان کی منزل کے بارے میں دھوکہ دیا جاتا ہے۔یہ اسلحہ ترکی کے راستے سے اسرائیل لے جایا جاتا ہے۔یہ کام تیل،کوئلہ اور فوجی سامان لے کر کارگو جہاز اسرائیل جاتے ہیں۔ایک خبری ذریعہ (No Harbour for Genocide) کے مطابق کم از کم 57 جہازوں سے یہ کارگو اسرائیل لے جایا جاتا ہے۔یہ سلسلہ مئی 2024ء سے جاری ہے اور آخری اطلاعات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دسمبر 2025ء میں بھی جاری رہا ہے۔اس طرح سے کم از کم 4 کروڑ 70 لاکھ بیرل خام تیل ترکیہ کے راستے اسرائیل لے جایا گیا،اس دوران میں ٹریکنگ سگنلز بند رکھے گئے تاکہ اس

طرح جانے والے جہازوں کی منزل آسانی سے معلوم نہ کی جاسکے۔ یہ بحری ذریعہ خفیہ اور بالواسطہ طریقوں سے فوجی سامان لے جاتے رہے ہیں۔ ترکیہ نے اس قسم کی تجارت پر پابندی لگا رکھی ہے لیکن یہ کام کیا جاتا رہا۔ بتایا گیا ہے کہ فوجی سامان میں گولہ بارود، مشین گنیں، گنوں کے مختلف آلات لے جائے جاتے رہے جنہیں Elbit Systems کمپنی مکمل فوجی سامان تیار کرنے کے لیے استعمال کرتی رہی ہے۔ یہ اسرائیل کی سب سے بڑی اسلحہ ساز کمپنی ہے۔

اکتوبر 2023ء سے فروری 2026ء تک 8 خفیہ مرتبہ 751000 ٹن فوجی سامان اسرائیل گیا جو بعد میں اسمبل ہوکر غزہ کی نسل کشی میں استعمال ہوتا رہا ہے۔ اس سامان میں جنوبی افریقہ سے بھی ایسا سامان خفیہ طور پر اسرائیل لے جایا گیا۔ اس کا علم مواصلاتی سیاروں سے لی گئی تصاویر اور میری ٹائم ٹریکنگ ڈیٹا سے ہوا۔ اس سامان کی اس طرح سمگلنگ میں ملوث کمپنیوں میں Kyklades میری ٹائم کارپوریشن اور Thenamaris Ships Management ملوث پائی گئی ہیں۔ یہ کمپنیاں یونان کے دو خاندانوں The Alafouzos اور Martinos Family کی ملکیت ہیں۔ بتایا گیا ہے کہ فٹ بال کلب Giannis کے ارب پتی خاندان Alafouzos نے کچھ عرصہ قبل ہی امریکی حکام سے ملاقاتیں بھی کیں۔ ان ملاقاتوں میں گلوبل انرجی سیکیورٹی اور سپلائی چین سے متعلقہ امور زیرِ بحث آئے۔ Maritime خاندان یونان کی شپنگ صنعت کا بڑا خاندان ہے۔ یونان کے ان جہازوں نے ترک بحیرہ احمر کی بندرگاہ Cybas سے اپنے ان سفروں کا آغاز کیا۔ مصر کی بندرگاہ Said کو بھی ان سرگرمیوں کے لیے استعمال کیا

گیا۔ ان سرگرمیوں کے لیے ایک اتحاد قائم کیا گیا، اس اتحاد میں مندرجہ ذیل اداروں کو شامل کیا گیا:

(i) پروگریسو انٹرنیشنل

(ii) فلسطینی یوتھ موومنٹ

(iii) فلسطینی توانائی امبارگو

(iv) پیپلز ایمبارگو برائے فلسطین

جن بحری جہازوں کو استعمال کیا گیا، ان سے تمام نشانات اور علامتیں ختم کر دی گئی جن سے ان کی کسی بھی طرح شناخت ہو سکے۔ ان کو (اے آئی ایس) کہا جاتا ہے جو کسی بحری جہاز کے بارے میں معلوم کیا جا سکتا ہے کہ وہ کس وقت کہاں ہے اور کدھر جا رہا ہے۔ یہ جہاز رات کے اندھیرے میں گم ہو جاتے یا ان کو دیکھنا بہت مشکل ہو جاتا، جب یہ اپنا سامان آف لوڈ کر دیتے تو ان کے سگنلز بحال کر دیے جاتے۔ یونانی جہاز جنوبی افریقہ سے کوئلہ اٹھاتے اور اسرائیل لے جاتے تھے۔ وہ اپنی منزل Damitta بتاتے۔ یہ مصر کا ایک سمندر کے کنارے کا شہر ہے۔ وہ اپنے سگنلز آف کرتے اور بحیرہ قلزم میں چلے جاتے، وہاں ان کی منزل مشرق کی سمت ہوتی اور کئی ہفتوں بعد ان کا واپسی کا سفر شروع ہو جاتا۔ سمندر میں زندگی کی سلامتی کے انٹرنیشنل کنونشن پابند کرتی ہے کہ چھوٹے جہاز میں زیادہ سے زیادہ 300 ٹن کارگو لوڈ کیا جا سکتا ہے اور سگنلز آن کرنا ضروری ہوتا ہے۔ اس کی خلاف ورزی جرم ہے۔ تاہم چھوٹے جہاز سگنلز آف کر سکتے ہیں۔ جو جہاز سگنلز آف کرتے ہیں یا اپنی شناخت ظاہر ہونے نہیں دیتے، وہ ایسا اس لیے کرتے ہیں کہ ان پر بین الاقوامی سفر پر پابندی لگ سکتی ہے۔

یونانی ٹینکرز اپنی شناخت ظاہر نہیں کرتے تھے۔ ان کا تعلق اوپر بیان کیے گئے خاندانوں سے تھا۔ یہ ٹینکرز ایک خفیہ فلیٹ کا حصہ تھے جو روس کو تیل فراہم کرتا تھا۔ ایسا یوکرائن پر روس کے حملے کے بعد اس پر لگنے والی پابندیوں کے بعد سے کیا جارہا تھا۔ یونان اور اسرائیل کے درمیان معاشی اور فوجی تعلقات ہیں۔ یونان کے سابق وزیرِ خزانہ یانس ویروفاکی نے حال ہی میں کہا ہے کہ اس کا ملک اسرائیل کا ایک سیٹلائیٹ یا بغل بچہ ہے۔

شیڈو جہاز اور BTC پائپ لائن:

غزہ پر نسل کشی کی جنگ 2023ء سے ہی مسلط چلی آرہی تھی۔ یورپ کی منظم افرادی قوت اور سیاسی کارکن اور دنیا بھر میں کے ہم خیال گروپ اپنے ملکوں پر دباؤ ڈال رہے تھے اور کمپنیوں کے خلاف مسلسل احتجاج کررہے تھے۔ ان کا مطالبہ تھا کہ اسرائیل کو اسلحہ یا اسلحہ کی تیاری میں استعمال ہونے والے میٹریل کو روکا جائے۔ ڈاک ورکرز (Dock Workers) اور ان کی کمیونٹیز اپنا دباؤ اپنی ملازمت کی پرواہ کیے بغیر نسل پرستی کے خاتمے کا مسلسل مطالبہ کررہی تھیں۔ ان کی ترجمان نوہار بر برائے نسل پرستی کی اینا سانچیز نے تحریک میں اور اسے منظم کرنے میں نمایاں کردار ادا کیا۔ وہ اس بات کی وکالت کرتی رہیں کہ شپ پاورز اپنے ٹریکنگ سسٹم بند کردیں، اپنی اپنی منزلیں چھپائیں اور سمندروں میں سفر کی راہیں پرخطر بنادیں اور اس طرح دباؤ میں اضافہ کریں۔ ہم ایک دوسرے کو جانتے تھے اور ہمیں معلوم تھا کہ دو کمپنیاں کیا کررہی ہیں۔ اب یہی وقت تھا کہ انہیں جواب دہ ٹھہرایا جائے۔

زوری میں عرشے کے کارکنوں نے 20 سے زیادہ بندرگاہوں میں ہڑتال کردی تاکہ اسرائیل کو سمندر کے راستے اسلحہ کی سمگلنگ روکی جائے۔ مئی 2024ء میں ترکی نے اعلان

کیا کہ وہ اسرائیل کے ساتھ اپنی مساوی درآمدات اور برآمدات ختم کر رہا ہے۔اس نے کہا کہ ایسا غزہ کی خراب ترین انسانی صورت حال کی وجہ سے کیا جا رہا ہے۔ یونان کے بحری جہاز رانی سے وابستہ ان دونوں خاندانوں نے عالمی پابندیوں کو دھوکہ دینے کے کئی طریقے ایجاد کر لیے۔ اکتوبر 2022ء اور یکم مئی 2024ء کے درمیان ان کے جہاز فوجی ساز و سامان لے کر اسرائیل آتے جاتے رہے۔ کیک لاڈ میں خاندان نے اس مدت میں اسرائیل کو ترکی سے 21.82 فیصد تیل لے کر اسرائیل پہنچایا۔

پھر مئی 2024ء سے دسمبر 2025ء تک No Harbour for Genocide کے مطابق دو یونانی کمپنیوں نے اسرائیل کو ترکی سے 91.23 فیصد تیل پہنچایا۔ان شپ منٹس کے دوران میں بحری جہازوں کے ٹریکنگ آلات بند رکھے گئے۔ اینا سانچیز نے اپنے ادارے No Harbour کو مزید تفصیلات پر مبنی رپورٹس بھی جمع کرائیں۔ اسرائیل کو بھیجا جانے والا خام تیل باکو، تبلیسی، سی ہان (BTC) پائپ لائن کے ذریعے پہنچایا گیا۔ یہ لائن کیسپیئن سمندر میں زیرِ آب پائپ لائن کے فاصلے 1768 کلومیٹر طے کر کے بحیرہ روم پہنچایا گیا۔ پھر اس خام تیل کو اسرائیلی لڑاکا طیاروں کے ذریعہ فائن کیا گیا، اسے اسرائیل کی فوجی گاڑیوں اور ٹینکوں کے لیے الگ الگ فائن کیا گیا۔ اسرائیل نے اپنے فوجی طیاروں، ٹینکوں اور گاڑیوں کے تیل کا 30 فیصد ان ذرائع سے حاصل کیا۔اس عمل میں برطانوی کمپنی بی پی (برٹش پٹرولیم) برابر کی شریک رہی۔ وہ اس تیل کو خام سے فائن تیل میں تبدیل کرتی رہی۔اسرائیل اس بات سے خوف زدہ رہا کہ اگر کسی ملک کو زیرِ آب اس نیٹ ورک کا علم ہو گیا تو وہ اسے تباہ کر دیں گے۔ یہی دو خاندان

نائیجیریا سے بھی اسی نوعیت کا فوجی سامان لے کر اسرائیل منتقل کرتے رہے۔ پھر گبون، کیمرون اور وینزویلا سے بھی یہ سمگلنگ کی جاتی رہی۔ انہوں نے زیادہ تر کام بی پی اور SOCAR کے فنی تعاون سے کیا۔ بی پی سی پائپ لائن کی ملکیت میں آذربائیجان بھی شامل ہے۔

اس رپورٹ سے معلوم ہوتا ہے کہ اسرائیل نے نسل کشی کی غزہ کے خلاف جنگ محض اپنے وسائل اور ذرائع سے نہیں لڑی۔ اس میں بین الاقوامی جہاز رانی، کمپنیاں، بندرگاہیں اور حکومتیں شامل رہی۔ ترکی، مصر، نائیجیریا، آذربائیجان اور دیگر ممالک بھی ایسے منصوبوں میں شامل رہے۔ نسل کشی کے لیے اسلحہ، جہاز، ٹینک، مشین گنیں، گولہ بارود اور دیگر سامان میں یہ ممالک اور بہت سے دوسرے ممالک بھی شامل رہے۔ لیلہ ہسیفینے کی رپورٹ میں ان کا مکمل احاطہ کیا گیا ہے۔

ملٹری کارگو:

تیل اور اسی طرح کی دیگر مصنوعات کے ساتھ ساتھ جو "خدمات" نسل کشی کے لیے اسرائیل کو دی گئیں ان میں کول فائرڈ پاور سٹیشنز اور یونانی فرمیں پیش تھیں۔ غزہ میں نسل کشی کے لیے یہ ممالک، خاندان اور کمپنیاں اپنے مادی منافع کے لیے سارے عمل میں شامل رہیں۔ اوپر جس ادارے (No Harbour) کا ذکر کیا گیا ہے، اس کی مفصل اور جامع رپورٹ نے مزید بتایا ہے کہ نسل کشی کے جرموں میں چار مزید یونانی کمپنیاں ملوث رہیں۔ ان میں:

* The Marla Bull

* Conship Bra

* Zim America

* The Jamica

شامل تھیں۔ یہ اسرائیل کی سب سے بڑی فرم Elbit System کو یہ سارا سامان بہم پہنچاتی رہیں۔ اکتوبر 2024ء میں Port of Piraeus کی بندرگاہ پر مارلائل کے کارگو کو عرشے پر کام کرنے اور سامان لوڈ، آف لوڈ کرنے والے مزدوروں نے احتجاج کرتے ہوئے کامیابی سے روکا۔ انہوں نے 21 ٹن ایمونیشن اسرائیل جانے نہ دیا۔ مختصراً یہ بات رپورٹ کی گئی Makos Bekris نے یونانی ڈاک مزدوروں کی مدد سے کام کیا۔ ان کے خلاف مقدمات درج کیے گئے۔ ان پر الزام لگایا گیا کہ ان کی مشترکہ جدوجہد سے وہ سامان اسرائیل نہ جا سکا جو اس مقصد کے لیے وہاں موجود تھا۔ دسمبر 2025ء میں زِم امریکہ نے کوسٹا مائیر شپ کمپنی کی مدد سے konstantakopoulos خاندان کی نگرانی میں جو کہ ایک اور اہم یونانی خاندان کی سرپرستی میں سامان اسرائیل لے جانے کی کوشش کی جسے عرشے پر سامان لوڈ کرنے والے مزدوروں نے روک دیا۔ اس سامان میں 18 ٹن کیتن بیرل Elbit Systems کے لیے لے جانا تھے۔ اس مرتبہ اس سامان کو روکنے والے فرانس کے کارکن تھے۔ یونان کے خاندانوں نے مختلف ہتھکنڈے استعمال کیے تاکہ اسرائیل کی نسل کشی کی جنگ سے مادی فائدے حاصل کرسکیں۔ فلسطینی خون ان کے مادی فائدوں کے مقابلے میں بہت سستا سمجھا گیا۔ اب یہ کہنا بے فائدہ ہے کہ ان یونانی خاندانوں اور کمپنیوں کو قانون کے کٹہرے میں لایا جائے لیکن کس قانون کے کٹہرے میں؟

6

المصباح

میری ماں... میری جنت

جس طرح میں اپنے والدین کی پہلی اولاد ہوں، میری ماں بھی اپنے والدین کی پہلی اولاد تھیں!

مختلف اوقات میں، مختلف سیاق وسباق میں، میں جو بار بار یہ کہتا ہوں کہ پہلی اولاد، یہ میں نے پہلی بار اپنی نانی کے منہ سے بچپن میں سنا تھا۔ تب صرف سنا ہی تھا۔ اس کے معنی اور اہمیت کا احساس بہت بعد میں ہوا، جب میں نے یہی بات اپنی ماں کے منہ سے بھی سنی۔ ایک دن کسی بات کے دوران نانی نے میری ماں (اپنی بڑی بیٹی) سے کہا، تو میری پہلی اولاد ہے، تیرے ہی ذریعے میں ماں بنی ہوں...!

میں حیران ہو کر ایک بار نانی کے چہرے کو دیکھتا ہوں، اور ایک بار ماں کے چہرے کو! وہ چہرہ جو شام کی روشنی کی طرح تھا، اس پر فخر کے ساتھ اداسی کا سایہ تھا! اور وہ چہرہ جو صبح کی روشنی کی طرح تھا، اس پر اداسی کے ساتھ فخر کی چمک تھی! لیکن دونوں ہی چہروں میں ایک ایسا پُراسرار نور اور عکس تھا جسے میں سمجھ نہیں پا رہا تھا!

میں حیرانی سے دیکھتا ہوں، اور دیکھ دیکھ کر حیران ہوتا ہوں؛ نانی (میری ماں کی ماں) کیا کہنا چاہتی ہیں؟ اولاد کے ذریعے ماں بننے کا کیا مطلب ہے! تو کیا ماں کی ممتا اور ماں ہونے کے فخر میں اولاد کا بھی حصہ ہے! یہ تو پہلے کبھی نہیں سنا تھا۔ خود بھی کبھی نہیں سوچا تھا!

بہت عرصے بعد ایک دن ماں نے مجھ سے کہا، ابے، تو میری پہلی اولاد ہے، تیرے ہی ذریعے میں ماں بنی ہوں! دکھ دے گا تو بھی تو ہی دے گا، سکھ دے گا تو بھی تو ہی دے گا۔ یہ ہیں میری ماں! جب سے سمجھنا سیکھا ہے، انہیں اسی طرح باتیں کرتے دیکھا ہے۔

ہلکے اور نرم الفاظ کافی وزنی اور مشکل ہوتے ہیں! وہ ہنستے ہنستے جو کہتی ہیں اس میں آنسوؤں کی نمی ہوتی ہے، اور روتے روتے جو کہتی ہیں اس میں نرم مسکراہٹ کی چمک ہوتی ہے! اوپر سے وہ ایک پُرسکون جھیل کی طرح ہیں، اور اندر گہرائی میں لہروں کا تلاطم ہے!

اس دن میں حیرت زدہ ہو کر صرف ماں کی طرف دیکھتا رہا۔ دیکھ کر مزید حیران نہیں ہوا! کیونکہ تب تک اس بات کی حقیقت کو محسوس کرنے کی عمر ہو چکی تھی اور تھوڑی بہت اہلیت بھی پیدا ہو گئی تھی۔ تاہم، اگر سچ تسلیم کرنے میں کوئی فخر ہے، تو اس فخر کو حاصل کرنے کے لیے یہاں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ یہ اہلیت میری اپنی حاصل کردہ بالکل نہیں ہے، بلکہ محض قدرت کا عطیہ ہے، صرف مہربان کی مہربانی اور رحم کرنے والے کا رحم ہے!

ماں کے منہ سے یہ بات سن کر اس دن ایک عجیب اطمینان اور ایک بے مثال خوش قسمتی کا احساس ہوا تھا۔ اس کے ساتھ ہی اس عزت اور خوش قسمتی کی جو ذمہ داری تھی، اس کا احساس بھی دل میں لرزاں تھا، کیونکہ تکلیف دے گی تو تو ہی دے گی، سکون دے گی تو تو ہی دے گی۔

میری ماں کے کمرے میں لکڑی کی وہ جو بڑی الماری ہے، میرے بچپن میں ابا نے وہ امی کے لیے حاصل کی تھی۔ میری سمجھ کے مطابق وہی ابا کی طرف سے امی کو دیا گیا پہلا تحفہ تھا! الماری اب بھی موجود ہے۔ الماری کے دروازے...

(ایسی جذباتی گفتگو میں قیمت کا ذکر لانا مناسب نہیں ہے۔ پھر بھی، صرف وقت کے معاشی فرق کو سمجھانے کے لیے کہہ رہا ہوں، اس الماری کی قیمت تین سو روپے تھی، جو شاید

اب تیس ہزار روپے میں بھی کسی کے گھر نہیں آئے گی! الماری کی عمر ساٹھ سال سے کچھ کم ہوگی! اب بھی جیسے کل کی بنی ہوئی ہو! میرے والد دنیا سے رخصت ہو گئے، میری ماں بوڑھی ہو گئیں، میں بھی تقریباً بوڑھا ہو گیا، لیکن الماری تقریباً ویسی ہی نئی، ویسی ہی مضبوط ہے! کہیں پڑھا تھا، زندگی کی چیزیں زندگی سے لمبی ہوتی ہیں، کتنا اچھا ہوتا اگر زندگی کی امیدیں اور خواب زندگی سے چھوٹے ہوتے!

ایک حصے میں کافی بڑے سائز کا آئینہ لگا ہوا ہے۔ اب بھی یاد پڑتا ہے، آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر اس چھوٹے بچے کو دیکھ کر کتنا حیران ہوتا تھا! دل ہی دل میں تجسس پیدا ہوتا کہ، تم کون ہو! آئینے کے جسم پر اس بچے کو چھونے کی ناکام کوشش کی، اور اس بچے پر بلاوجہ ناراض بھی ہوا، کیونکہ وہ گرفت میں نہیں آتا تھا! وہ بچہ کہ میں ہی ہوں! میرا ہی عکس ہے، یہ سمجھنے میں کچھ دن لگے!

اب جب ماں کے مبارک قدموں کے پاس بیٹھتا ہوں، تو بچپن کی طرح میرا پورا وجود اس آئینے کے جسم میں منعکس ہوتا ہے، میں حیرت سے دیکھتا ہوں، اور سوچتا ہوں؛ وہ بچہ کہاں ہے! یہ بوڑھا آدمی کون ہے! اس کی پہچان کیا ہے!

ماں کے منہ سے وہ بات سن کر، میرے دل میں تب خوش قسمتی اور احساسِ ذمہ داری کا جو ملا جلا احساس ہوا تھا، اسے چہرے کے آئینے میں دیکھنے کی بڑی خواہش ہوئی۔ میں آئینے کے سامنے ہی تھا۔ میں نے دیکھا! آنکھوں پر چشمہ نہیں تھا! جب چشمہ نہیں ہوتا، تو صرف یہی نہیں کہ آس پاس کی ہر چیز دھندلی ہو جاتی ہے، بلکہ خود کو بھی اپنا آپ کچھ اوجھل سا

محسوس ہوتا ہے! آئینے کی طرف دیکھا، اپنے باطن کو قریب سے محسوس کرنے کے لیے، تو مجھے صرف ایک سایہ نظر آیا! وہ بھی کتنا دھندلا! شدید تڑپ تھی، پھر بھی آئینے کے ذریعے اپنا چہرہ اور چہرے کے آئینے میں اپنے باطن کو قریب سے دیکھنا ممکن نہ ہوسکا! تاہم اس سچائی کی سمجھ آئی کہ، زندگی کو آسان بنانے میں وضاحت کی طرح دھندلے پن کی بھی اپنی اہمیت ہے۔

اچھا، جب کہہ ہی رہا ہوں تو اس دکھ کی یاد بھی یہیں سنا دیتا ہوں! میری ماں کے کمرے میں وہ الماری اب بھی موجود ہے، والد کی نشانی بن کر! لیکن وہ آئینہ نہیں ہے! تو پھر اس آئینے کا کیا ہوا!

جس دن والد کی وفات ہوئی، اس دن یا ایک دو دن بعد، حیرت انگیز طور پر، کسی خاص وجہ کے بغیر ہی وہ آئینہ ٹوٹ گیا! کسی نے ٹوٹتے ہوئے نہیں دیکھا! جو بہت قریب، بالکل سامنے ہوتا ہے، وہ بہت کم ہی نظر آتا ہے!

ماں کے مبارک قدموں کے پاس بیٹھا ہوں! ماں کو ایک آدھ تسلی کی بات کہہ رہا ہوں۔ اچانک آئینے کی طرف دیکھا، اور کچھ دیر رنجیدہ نظروں سے دیکھتا ہی رہا! شاید میری نظر کا پیچھا کرتے ہوئے ماں نے دیکھا، اور لاشعوری طور پر پکار اٹھیں، اِنّاللّٰہِ!....

ابھی تک معلوم نہیں ہوسکا کہ اس واقعے کا راز کیا تھا! پسِ پردہ غیب کا کیا اشارہ چھپا ہوا ہے۔ اس کے بعد جب بھی آئینے کی طرف دیکھتا، دکھ سے اندر جیسے مروڑ اٹھنے لگتے! ٹوٹے ہوئے آئینے میں اپنا وجود بھی ٹوٹا ہوا سا محسوس ہوتا!

ایک دن اچانک دیکھا، کسی کے ذریعے امی نے وہ آئینہ تبدیل کروادیا ہے۔ مجھ سے پوچھا نہیں کہ انہوں نے آئینہ کیوں تبدیل کیا، آئینے کی دراڑ ان کے دل میں دکھ یا غم کا کیسا احساس پیدا کرتی تھی! کیا آئینے کی طرف دیکھنے سے امی کو بہت تکلیف ہوتی تھی!

لیکن میرے اندر ایک عجیب سا احساس پیدا ہوا! کہا جا سکتا ہے، آئینے سے ہمدردی، یا والد کی نشانی کے کھو جانے کا دکھ! اس کے بعد سے کیوں کر نہ جانے پھر کبھی آئینے کی طرف نہیں دیکھتا، یا دیکھ نہیں پاتا!

ابھی اس دن، آئینے کی طرف دیکھا نہیں تھا؛ بس یونہی نظر پڑ گئی، اور.. دیکھا، وہی دراڑ! پھر دیکھا، کہاں ہے دراڑ! یہ تو ماں کا لگایا ہوا صحیح سلامت آئینہ ہے! تو پھر اچانک میں نے کیا دیکھا! شاید...

آنکھوں کا دھوکہ، نظر کا وہم! شاید دیکھنے کی حقیقت! شاید...! ایک بار سوچا، امی کو بتا دوں، لیکن پھر خیال آیا کہ اس سے شاید امی کے دل میں سویا ہوا دکھ دوبارہ جاگ اٹھے گا! سوئے ہوئے دکھ کو سہنا ممکن ہے، لیکن جاگتا ہوا دکھ بہت زیادہ تکلیف دیتا ہے۔

واپس اصل بات کی طرف آتے ہیں۔ جس دن ماں کے منہ سے سنا کہ تو میری پہلی اولاد ہے! تکلیف دے گی تو تو ہی دے گی! تب ہم کئی بہن بھائی تھے۔ اس دن اچانک ذہن میں ایک کافی پیچیدہ سوال پیدا ہوا، اچھا، اگر میری ماں کی میرے علاوہ اور کوئی اولاد نہ ہوتی، تو کیا ان کی ممتا میں کوئی ادھورا پن رہ جاتا؟ سوال بلاشبہ پیچیدہ تھا۔ تاہم اپنے اندر سے ہی جواب مل گیا..!

ہمارے دل میں جب سوال پیدا ہوتا ہے، اور ہم اس کا جواب بیرونی دنیا میں ڈھونڈتے ہیں! تو سوال تب پیچیدہ ہو جاتا ہے۔ بہت آسانی سے کوئی جواب نہیں ملتا۔ مل بھی جائے تو وہ دل میں سکون نہیں لاتا، بلکہ مزید دکھ، مزید رنج اور مزید پیچیدگی ہی پیدا کرتا ہے۔ جب دل میں سوال پیدا ہو، اور دل خود ہی جب جواب دے دے، تو پیچیدہ سوال کا بھی وہ آسان جواب ہوتا ہے۔ اس سے دل میں انتہائی سکون پیدا ہوتا ہے، تمام پیچیدگیاں دور ہو جاتی ہیں۔

حیرت ہے، زندگی اتنی پیچیدہ ہے، جبکہ زندگی کے تئیں ہمارا نظریہ اور نقطہ نظر اتنا ہلکا اور سطحی ہے! پچھلا دور تو ایسا نہیں تھا، جتنا پیچھے جائیں، جتنا ماضی کی طرف دیکھیں، نظر آتا ہے کہ زندگی کے بارے میں لوگوں کا نظریہ اور نقطہ نظر حیرت انگیز وضاحت اور گہرائی سے بھرپور تھا۔ ان کے دل میں جب کوئی سوال پیدا ہوتا، خواہ وہ کتنا ہی پیچیدہ کیوں نہ ہو، وہ جواب بیرونی دنیا میں نہیں ڈھونڈتے تھے، بلکہ اپنے اندر ڈھونڈتے تھے۔ اندر سے ان کے پاس جو جواب آتا تھا وہ بہت سادہ، سہل اور... وہی جواب وہ... دل سے قبول کرتے تھے اور اسی روشنی کی کرن کے سہارے زندگی کے راستے پر وہ زندگی کی تمام پیچیدگیوں سے آزاد ہو کر آگے بڑھتے تھے۔

زندگی جوں جوں حال کی طرف بڑھی ہے، زندگی کے بارے میں انسان کے نظریے اور نقطہ نظر میں آہستہ آہستہ بہت سی تبدیلیاں آئی ہیں۔ اب زندگی کے راستے پر جب ہم کسی سوال کا سامنا کرتے ہیں، چاہے عام سوال ہو یا پیچیدہ سوال، جواب ہم اپنے دل کے اندر

نہیں ڈھونڈتے، بلکہ باہر کسی اور میں ڈھونڈتے ہیں، یا بالکل زندگی سے باہر مختلف مادی چیزوں یا مادی سوچوں میں۔ تب سوال کا جواب بہت پیچیدہ ہوجاتا ہے۔ انسان زندگی کی ایک پیچیدگی سے نجات چاہتا ہے، لیکن مزید مضبوطی سے کسی نئی پیچیدگی میں، بلکہ نئی نئی پیچیدگیوں میں الجھ جاتا ہے۔

زندگی سے یہ سچائی میں نے خوبصورتی سے محسوس کی ہے کہ سوال جتنا بھی پیچیدہ ہو، اسے باہر کسی میں نہیں، کسی چیز میں نہیں؛ بلکہ اپنے آپ میں، اپنے دل کی گہرائیوں میں ڈھونڈنا ہوگا! جب یہ ممکن ہوتا ہے، تو زندگی کی پیچیدگی دور ہوجاتی ہے اور زندگی بہت آسان ہوجاتی ہے! جب بھی یہ ممکن نہیں ہوتا، جب بھی ہم زندگی سے ابھرنے والے سوالوں کے جواب ڈھونڈنے میں غلطی کرتے ہیں، تو زندگی کی موجودہ پیچیدگیوں سے تو نجات پا نہیں سکتے، بلکہ زندگی میں نئی پیچیدگی، یا نئی نئی پیچیدگیاں ظاہر ہونے لگتی ہیں۔

میں شکر گزاری کے ساتھ کہنا چاہتا ہوں کہ شاید میری امی نے زندگی کے اتنے باریک اور پیچیدہ فلسفے کے بارے میں کبھی نہیں سوچا تھا، شاید ان کی تعلیم اور ثقافت ان باتوں کو سوچنے کے درجے پر نہیں تھی! تاہم، جو سبق انہوں نے اپنے والد کی صحبت سے حاصل کیا تھا، اس سبق کی برکت سے وہ زندگی کے تمام سوالوں کے جواب اپنے اندر، اپنے دل کی گہرائیوں میں ڈھونڈتی تھیں۔ اسی لیے اپنی سمجھ کی عمر سے لے کر اب تک میں نے امی کو کبھی زندگی کی پیچیدگیوں میں پھنس کر پریشان ہوتے نہیں دیکھا۔ دل سے ملنے والے جواب کو قبول کر کے وہ زندگی کے راستے پر آگے بڑھ جاتی تھیں۔ جبکہ امی کے آس پاس

کے لوگ تب بھی زندگی کی پیچیدگیوں کے گرداب میں پھنسے رہتے تھے۔

شاید گفتگو پیچیدہ ہوگئی، ایک مثال دوں تو امید ہے کہ کچھ حد تک آسان ہوجائے گی! میرا ایک بہت قریبی شخص، ذہنی طور پر نہ سہی لیکن خونی رشتے کے لحاظ سے، اچانک ایک معمولی واقعے کو لے کر تعلقات میں سخت کشیدگی پیدا ہوگئی، امی کچھ دیر خاموش رہیں، میں سمجھ گیا کہ امی سامنے والے شخص میں نہیں بلکہ اپنے آپ میں، اپنے دل کے پاس سوال کا جواب ڈھونڈ رہی ہیں۔ تھوڑی دیر بعد امی نے پرسکون آواز میں کہا، "اصل میں غلطی تیری نہیں، میری ہے۔ مجھے معاف کردے۔"

امی اگر سامنے والے شخص میں، یا باہر کی کسی چیز میں سوال کا جواب ڈھونڈتیں، تو لگتا کہ سارا قصور اس کا ہے، میرا نہیں۔ تب کیا ہوتا، موجودہ پیچیدگی تو دور نہ ہوتی بلکہ کوئی نئی پیچیدگی پیدا ہوجاتی۔ اس سے زندگی کا سفر دشوار ہوجاتا۔

امی سے میں نے زندگی کی یہ سادہ سی حقیقت سیکھی ہے، جس کی بدولت اللہ کی رحمت سے میری زندگی ناگزیر پیچیدگیوں سے بھی آزاد ہے۔ زندگی کے سفر میں کبھی میں ایسی کسی مشکل سے دوچار نہیں ہوا جسے عبور نہ کیا جا سکے، اس لیے میں اپنی امی کا ہمیشہ کے لیے احسان مند ہوں۔

کیا اپنی زندگی سے بھی کوئی مثال دوں؟ مثالوں کی تو کمی نہیں۔ بس ایک کا ذکر کرتا ہوں۔

میرا بھی ایک بہت قریبی شخص سے، ذہنی طور پر نہ سہی لیکن خونی رشتے کے لحاظ سے،

مشکل صورتحال پیدا ہوگئی۔ میرا اب بھی ماننا ہے کہ پیدا شدہ صورتحال کی پوری ذمہ داری میری نہیں تھی، کافی حد تک اس کی بھی تھی! لیکن میں نے سوال کا جواب اس کے اندر، یا باہر کی کسی اور چیز میں تلاش نہیں کیا، بلکہ اپنے اندر، اپنے دل کی گہرائیوں میں تلاش کیا، اسی لیے بہت آسانی سے کہہ پایا کہ تمہارے خیال میں اس الجھن کا حل کیا ہے؟ جواب ملا کہ اگر ایسا کیا جائے تو حل ہوسکتا ہے۔ میں نے غور کیا تو دیکھا کہ اس میں میری انا (بڑائی) کو تھوڑا نقصان پہنچتا ہے، مگر میرے کام یا سوچ کا کوئی نقصان نہیں ہے۔ اس لیے میں نے کہا، "اچھا ٹھیک ہے، پھر بھی آؤ ہم زندگی کی پیچیدگی سے دور رہیں۔" ہم دونوں ابھی زندہ ہیں، اللہ کے فضل سے امی بھی حیات ہیں۔ امی میرے اس رویے سے بہت خوش ہوئیں اور دعائیں دیں۔ میرے پیچھے ہٹنے کے فیصلے سے پیچیدگی ختم تو نہیں ہوئی تھی لیکن ہم پیچیدگی سے کنارہ کش ہونے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ ورنہ امی بھی اس میں الجھ کر تکلیف پاتیں، جبکہ وہ اس میں کچھ کر بھی نہیں سکتی تھیں۔

تو سب سے میری زوردار درخواست ہے کہ زندگی سے کتنے ہی پیچیدہ سوال کیوں نہ اٹھیں، ہم ماں کے بتائے ہوئے راستے اور طریقے کی پیروی کریں۔

باہر کے کسی دل سے ہی جواب ملا کہ نہیں، ماں کی ممتا میں کوئی ادھورا پن نہ رہتا۔ صرف اتنا ہوتا کہ تب ممتا کی وسعت نہ ہوتی، ممتا تب سمٹی ہوئی ہوتی، صرف ایک اولاد تک، لیکن ممتا کی کاملیت کسی طور بھی متاثر نہ ہوتی۔ وہ اب بھی مکمل ماں ہیں، تب بھی ہوتیں!

تب سے میں نے خود کو بہت خوش قسمت سمجھنا شروع کر دیا ہے کہ میری ماں کی ممتا

میری پیدائش کے ذریعے نمودار ہوئی ہے۔ میں جب ماں کہتا ہوں تو اس میں ایک الگ ہی کیفیت کی گونج ہوتی ہے اور ایک الگ ہی ذمہ داری اور فرض کا احساس ہوتا ہے۔

میرے بعد جو آئے، ماں کی ممتا کے نمودار ہونے میں ان کا کوئی کردار یا حصہ نہیں ہے، ان کا جو کچھ بھی کردار یا حصہ ہے وہ صرف ممتا کی وسعت میں ہے۔

تاہم یہ بھی زندگی کی ایک تلخ حقیقت ہے؛ پہلی اولاد ہمیشہ پہلی نہیں رہتی۔ ایسی بدقسمت پہلی اولاد بھی ہے جو اپنا یہ اللہ کا دیا ہوا مرتبہ خود ہی بعد میں آنے والی کسی اولاد کے حق میں، یہاں تک کہ سب سے چھوٹی اولاد کے حق میں قربان کر دیتی ہے۔ تب وہ اولاد پہلی نہ ہو کر بھی پہلی بن جاتی ہے؛ یہاں تک کہ جو سب سے چھوٹی اولاد ہے وہی سب سے بڑی بن جاتی ہے! ماں کے سب سے زیادہ قریب، سب سے زیادہ۔

اپنی اس حقیقت کو سمجھنے کے لیے تمہیں بہت دور جانے کی ضرورت نہیں، آسانی سے اپنے اردگرد ہی مل جائے گی۔۔۔ اندر اور باہر کی کسی بھی چیز میں تم سوال کا جواب ڈھونڈنے مت جاؤ۔ جواب اپنے دل کی گہرائیوں میں تلاش کرلو۔

یہ باتیں لکھتے وقت میرے تخیل میں ایک ایسی بڑی اولاد زندہ ہے جو بڑی ہو کر بھی بڑی نہیں ہے، اور ایک ایسی چھوٹی اولاد جو چھوٹی ہو کر بھی چھوٹی نہیں ہے۔

زندگی کے سمندر میں کتنی طغیانی، کتنی لہریں ہیں! بڑی بڑی لہروں کا کتنا عروج، کتنا زوال! زندگی کے سمندر کی لہروں میں کوئی پیچھے سے آگے نکل جاتا ہے، اور کوئی سامنے ہو کر بھی نہ جانے کیسے پیچھے رہ جاتا ہے! نہیں جانتا، یہ محض قسمت ہے جو زندگی میں ناگزیر ہے! یا

یہ اعمال کا پھل ہے، جو ہم خود حاصل کرتے ہیں!

نانی کے ذکر سے ہی ماں کی بات شروع کرتا ہوں۔ میری امی کسی ایک دن اسی ماں کی گود کی رونق بن کر ہی تو اس دنیا میں آئی تھیں! تو اگر میں انہیں ہی نہ پہچان سکوں اور نہ سمجھ سکوں تو اپنی ماں کو کیسے پہچانوں گا، کیسے سمجھوں گا! زندگی کو تو زندگی کی جڑ سے سمجھنا پڑتا ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے، اور سچ کہا ہے درخت کبھی بیج سے بڑا نہیں ہوتا اور جڑ سے زیادہ قیمتی نہیں ہوتا۔

میری نانی، میری ماں کی ماں، بچپن میں ہی ماں باپ کو کھو کر یتیم ہو گئی تھیں۔ باپ کو کھو کر یتیم ہونا، اور ماں باپ دونوں کو کھو کر یتیم ہونا؛ ان دو یتیموں میں بہت فرق ہے! ایک یتیم کے سر پر چاہے پھٹا ہوا آنچل ہی سہی، مگر ممتا کا سایہ تو ہوتا ہے! بے بس ممتا، اور بھی بے بس محبت، پھر بھی وہ ماں کی ممتا تو ہے! لیکن جس نے باپ کو کھویا، اور اس سے پہلے یا بعد میں ماں کو بھی کھو دیا، اس کے سر پر تو ممتا کے پھٹے ہوئے آنچل کا سایہ بھی نہیں رہتا۔ رہتا ہے تو بس زندگی کے سورج کی تپتی دھوپ! جس میں وہ زندگی کی بے قدری، غفلت، حقارت اور تذلیل سے جھلس جاتا ہے۔ پھر بھی وہ خاموش رہتا ہے! تب بھی اسے یہ حق نہیں ہوتا کہ وہ ماں، او ماں کہہ کر پکار سکے۔

(جاری ہے)

5

أم حبیب

اولاد کو بگڑنے سے کیسے بچائیں

جسمانی تربیت

بچے کی اخلاقی، سماجی اور معاشرتی تربیت کے ساتھ ساتھ جسمانی تربیت کا خیال رکھنا بھی والدین کی ذمہ داری ہے اس لئے کہ تمام اوصاف حمیدہ جسم کے ساتھ قائم ہیں اگر جسمانی تربیت میں نقص رہ جائے تو بچہ نفسیاتی مریض بھی بن سکتا ہے اسے بچپن سے ہی کھانے پینے کے آداب سکھا دینے چاہئیں۔ ایسے ہی حفظان صحت کے اصولوں کا اسے پابند بنا دیں اگر بچپن میں یہ عادات پیدا ہو گئیں تو تاحیات ساتھ ساتھ چلیں گی کھانے پینے اور دیگر کاموں میں اسے وقت کی پابندی کا احساس دلائیں۔ اسے

منہ اندھیرے بیدار ہونے کی عادت ڈالیں اس لئے کہ جو آدمی دن چڑھے تک سویا رہتا ہے اس کی طبیعت میں سستی چھائی رہتی ہے۔اس کا چہرہ مرجھایا رہتا ہے اگر بچپن میں ان کی صحیح جسمانی نشوونما نہ ہو سکے تو بچہ ایک بیمار شخصیت لے کر زندگی کی راہوں میں داخل ہوتا ہے وہ ہمیشہ معاشرہ سے نالاں رہتا ہے اس لئے کہ جسمانی صحت کی کمزوری عقل کو بھی ماؤف کر دیتی ہے جیسا کہ مشہور عربی مقولہ ہے "العقل السلیم فی الجسم السلیم "صحت مند عقل صحت مند جسم میں ہی ہوتی ہے۔جسمانی تربیت کیلئے والدین کو درج ذیل امور کا خیال رکھنا چاہیے:

خوشگوار گھریلو ماحول

معاشرہ میں تین طرح کے لوگ بستے ہیں غریب،متوسط اور امیر۔غریب لوگ اپنے بچوں کا پیٹ بھرنے ان کا تن ڈھانکنے انہیں تعلیم دلانے اور انہیں بیماریوں سے بچائے رکھنے کیلئے خون پسینہ ایک کر رہے ہیں وہ دن بھر محنت و مشقت کرتے ہیں لیکن انہیں اس بات کا رنج ہوتا ہے کہ انہوں نے بچوں کی ضروریات کو پورا کرنے میں اپنا خون خشک کر دیا پھر بھی بچے جسمانی طور پر کمزور ہیں ان کے چہرے زرد ہی رہتے ہیں۔

اصل بات یہ ہے کہ بچے ماں باپ سے صرف روٹی کپڑا اور دوائیاں ہی نہیں مانگتے وہ توجہ اور پیار کے بھی طلب گار ہوتے ہیں ماں باپ کے پاس نہ وقت ہوتا ہے نہ سکون کہ وہ بچوں سے مسکرا کر بات بھی کر سکیں۔ بلکہ غمِ روزگار سے اکتائے ہوئے ذرا ذرا سی بات پر بچوں کو ڈانٹ دیتے ہیں یا معاشرتی ناہمواریوں اور غیر یقینی کوائف کا غصہ بچوں کے منہ پر تھپڑ مار کر ٹھنڈا کر لیتے ہیں گھر کی فضا میں تناؤ رہتا ہے کوئی کسی کے ساتھ کھل کر بات نہیں کرتا

ان کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بچے لاشعور میں محرومیوں اور زودِ پشیمانی کا زہر لئے ہوئے بڑے ہوتے ہیں۔ یہی ذہنی دباؤ ان کی جسمانی صحت پر زبردست اثر انداز ہوتا ہے ظاہر ہے اندر ہی اندر گھٹنے والا جسمانی طور پر چاق و چوبند نہیں ہوسکتا متوسط طبقہ کے لوگوں کے پاس کچھ وقت ہوتا ہے کہ بچوں کے ساتھ بتائیں لیکن وہ اس جانب توجہ نہیں دیتے اسی طرح امیر گھرانوں کے بچے بھی ذہنی آسودگی سے محروم ہوتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے والدین انہیں قیمتی کپڑے پہنانے نہایت اچھے برتنوں میں کھانا کھلانے اور انہیں انگریزی اسکول میں داخل کروادینے کو صحیح تعلیم وتربیت سمجھ کر مطمئن ہوجاتے ہیں مگر اس سے نہ تعلیم کا مقصد پورا ہوتا ہے نہ تربیت کا بچہ غریب کا ہو یا امیر کا اس کی ضروریات روٹی کپڑا اور آسودہ زندگی تک محدود نہیں ہوتیں وہ توجہ اور پیار چاہتا ہے۔جس کا اس کی گھریلو زندگی میں فقدان ہوتا ہے اس کا جذبہ پیار اندر ہی اندر گل سڑ جاتا ہے جس سے وہ یا تو گم سم سا ہوجاتا ہے یا چڑ چڑا اور سڑیل مزاج بن جاتا ہے۔ بچوں کا یہ ردِعمل بخار، کھانسی یا زخم کی طرح نظر نہیں آتا یہ بچوں کا ایسا مرض ہے جو انہیں اندر ہی اندر کھاتا رہتا ہے۔

ہم یہ نہیں کہتے کہ بچے سے اتنا زیادہ لاڈ پیار کرو کہ ان کا مزاج خراب ہوجائے یا ان سے اتنی بیزاری اور لاپرواہی برتو کہ وہ اجنبی بن جائیں بلکہ معتدل راستہ اختیار کیجئے ہفتہ میں ایک آدھ بار ان کے ساتھ کسی قریبی پارک میں جائیں ان کے ساتھ کھیلیں مسکرائیں انہیں اپنے پاس بٹھائیں جب وہ سکول سے آئیں تو انہیں کھیلنے کیلئے مناسب وقت دیں جسمانی تربیت والی کھیلوں کا سامان خود لا کر دیں۔ کھیلنے کیلئے ماحول فراہم کریں لیکن اس کے ساتھ ساتھ انہیں بری

صحبت سے بچائیے جمعہ پڑھنے کیلئے بچوں کو اپنے ساتھ لے کر جائیں۔اس سے ان کا ذہنی تناؤ ختم ہوگا گھٹن کا احساس جاتا رہے گا اور بچہ اپنے آپ کو چاہنے والے اور شفیق ماں باپ کے درمیان پائے گا اس کا اس کی جسمانی صحت پر بھی اچھا اثر پڑے گا اور ذہن پر بھی۔اور یاد رکھئے! جسمانی صحت کیلئے نماز بہت ضروری چیز ہے' نماز پڑھنے والے کی روح کو تسکین ملتی ہے وضو کرنے سے جسمانی تھکان دور ہو جاتی ہے اور انسان بہت سے گناہوں سے بچ جاتا ہے۔اس لئے بچوں کو نماز پڑھنے کی عادت ڈالیں یہ آپ کا فرض بھی ہے اور اولاد کا آپ پر حق بھی۔بچوں کو عادت ڈالیے کہ وہ اپنا کام اپنے ہاتھ سے کریں ہر کام میں نوکروں کا سہارا نہ لیں۔اس سے بچے کاہل سست اور اپاہج ہو جاتے ہیں بچوں کو جفاکش محنتی اور سخت کوش بنایئے۔

جسمانی تربیت کی مشقیں

صحت مند اولاد ہی جواں ہو کر بوڑھے والدین کا سہارا بنتی ہے صحابہ وتابعین اور مسلم تاریخ سے ہمیں یہ بات ملتی ہے کہ مسلمان والدین اپنے بچوں کو جنگی تربیت دلایا کرتے تھے انہیں تیراندازی، گھڑسواری، نیزہ بازی اور تیراکی کی تربیت دلاتے جس سے ان کا جسم مضبوط وتوانا ہو جاتا انہیں مسلم جرنیلوں کے کارنامے بہادر لوگوں کی داستانیں سنائی جاتیں بلکہ بعض خاندان اپنی شجاعت و بہادری کی داستانیں سینہ در سینہ اپنی اولاد کو منتقل کرتے چلے جاتے۔ جس سے بچے جسمانی قوت کے ساتھ ساتھ بہادری اور جواں مردی کا سبق بھی سیکھ جاتے جیسا کہ ایک مرتبہ مفضل بن زید نے ایک مسلمان دیہاتی عورت کے بچے کو دیکھا تو وہ انہیں بہت اچھا معلوم ہوا انہوں نے اس عورت سے اس بچے کے بارے میں دریافت کیا تو اس

نے کہا جب یہ بچہ پانچ سال کا ہو گیا تو میں نے اسے معلم کے حوالہ کر دیا جنہوں نے اسے قرآن کریم پڑھایا اور یاد کرایا، شعر سکھائے اور پڑھائے اور اس کو قوم کے قابل فخر کارناموں کو اختیار کرنے کی رغبت دلائی اور اپنے آباؤ اجداد کے کارنامے اپنے اندر پیدا کرنے کا اس سے مطالبہ کیا پھر جب وہ بالغ ہو گیا تو میں نے اسے گھوڑے پر سوار کرایا اور اس کی مشق کرائی چنانچہ وہ ماہر شہسوار بن گیا اور ہتھیار استعمال کرنا سیکھ گیا اور جوان مردوں کی طرح قبیلہ میں چلنے پھرنے لگا اور امداد کیلئے پکارنے والے کی آواز پر اس نے اپنے کان لگا لئے۔

لیکن آج بچے جسمانی تربیت کی بجائے زنانہ پن کی طرف مائل ہو جاتے ہیں۔ دھان پان جسم کے مالک ورزش کی بجائے بیوٹی سامان سے خود کو آراستہ کرنے لگتے ہیں اور فیشن میں بالکل لڑکیوں کی چال ڈھال اختیار کر لیتے ہیں۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ والدین نے بچوں کو جسمانی تربیت کی طرف مائل کیا ہی نہیں اور نہ انہیں ماڈلنگ رسائل اور فحش لٹریچر پڑھنے سے روکا انہوں نے ویڈیو گیمز کو جسمانی تربیت سمجھ لیا۔ چاکلیٹ، آئس کریم، کباب اور مصالحہ والی چیزوں کو مقوی اشیاء سمجھ لیا اس لئے ان کے بچے مردانگی کی بجائے زنانہ، صفاتِ تحمل کی بجائے نازک مزاج اور طاقتور ہونے کی بجائے کئی قسم کی بیماریوں کا شکار ہو گئے ایسی چیزوں میں دلچسپی لینے والے بچے اور ان عادات کو اختیار کرنے والے جلد ہی طرح طرح کے جسمانی روگ میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور والدین کا سہارا بننے کی بجائے والدین کیلئے وبالِ جان بن جاتے ہیں اس میں بہت حد تک قصور والدین کا ہوتا ہے اس لئے انہیں اس کا خمیازہ بھی بھگتنا پڑتا ہے۔ والدین کو چاہیے کہ بچوں کو ابتدا سے ہی جسمانی

تربیت کی طرف مائل کریں سحر خیزی کی عادت ڈالیں صبح ورزش کرنے اور دوڑ لگانے کی مشق کرائیں اور اگر ہو سکے تو انہیں جسمانی تربیت کے مراکز میں بھیجیں تا کہ انہیں ورزش کا شوق پیدا ہو۔ اے عقلمند باپ! غور کر کمزور لاٹھی پر بڑھاپے میں سہارا نہیں لیا جا سکتا اور نہ ہی لاغر گھوڑے پر سوار ہو کر منہ زور بڑھاپے کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے۔ اگر آج تو بچے کی جسمانی تربیت سے آنکھ بند کر لے گا تو کل تو اور وہ بڑھاپے میں ایک جیسے ہوں گے۔

جسمانی صحت کو برباد کرنے والی چیزیں

والدین کی غفلت کی وجہ سے قریب البلوغ بچے میں کئی قسم کی گندی عادات پیدا ہو جاتی ہیں جو ایک طرف اگر جسمانی صحت کو خراب کرتی ہیں تو دوسری جانب اخلاق کا کباڑا بھی کر دیتی ہیں مثلاً

(1) نوجوان لڑکے دیکھا دیکھی فیشن کے طور پر سگریٹ نوشی کرنا شروع کر دیتے ہیں اور پھر رفتہ رفتہ اس کے عادی بن جاتے ہیں جب عادت پختہ ہو جائے تو پھر اس کا بدلنا مشکل ہو جاتا ہے۔ ہزار جتن کے باوجود یہ عادت نہیں چھوٹتی والدین کو چاہیے کہ بچے کی نگرانی کرتے رہیں اگر کوئی ایسی صورتحال دیکھیں تو علیحدگی میں اس بیماری کے نقصانات انہیں بتائیں اور اس کے جسمانی اور مالی نقصانات واضح کریں وگرنہ اس تمباکو کا دھواں اندر ہی اندر بچے کو کھوکھلا کر دے گا۔

(2) بچوں کو اگر کھلی آزادی دے دی جائے کہ وہ گلی محلہ میں جس کے پاس چاہیں بیٹھیں تو وہ بری صحبت کا شکار بھی ہو سکتے ہیں اور بری سوسائٹی ان کے جسم کو گندے جراثیم کی

طرح لگ جاتی ہے یہیں سے ان کے ذہن میں جرائم کے بیج پھوٹ پڑتے ہیں اور ایک دن وہ خود برے لوگوں کی صف میں شمار ہونے لگتے ہیں جس سے پورے خاندان کی عزت کو بٹہ لگ جاتا ہے۔منشیات اور نشہ آور اشیاء کا استعمال اسی طرح بے حیائی اور فحاشی جیسی عادات بری صحبت ہی کا نتیجہ ہیں۔

(3) اگر قریب البلوغ بچوں کی نگرانی نہ کی جائے کہ وہ کس قسم کی کتابیں پڑھ رہے ہیں یا انہیں مشغول نہ رکھا جائے۔تو ان میں گندی عادات پیدا ہو جاتی ہیں اور وہ اپنے ہاتھوں اپنی صحت اور اخلاقیات کا جنازہ نکال دیتے ہیں۔

ان ساری عادات سے بچوں کو بچانے کیلئے ضروری ہے کہ ان کو ہر وقت مشغول رکھا جائے پورے دن کے معمولات کا ایک ٹائم ٹیبل بنا دیا جائے اس کے مطابق اسے کام کرنے کی عادت ڈالیں اور اس کے مشاغل میں خود دلچسپی لیں جس سے نگرانی کا کام آسان ہو جائے گا وقتاً فوقتاً انہیں گندی عادات کی قباحتیں اور ان میں گرفتار لوگوں کے خوفناک انجام سے آگاہ کرتے رہیں اس کے ساتھ ساتھ ان کی کتابوں اور الماریوں کی چوری چھپے چھان پھٹک کرتے رہیں اس عمر میں انہیں ایسی کتابیں پڑھنے کیلئے دیں جن میں صحت وتندرستی کی افادیت اور گناہوں اور گندی عادتوں کے نقصانات ذکر کئے گئے ہوں۔

اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اولاد کے جسمانی حقوق پورے کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔" آمین" (جاری ہے)

محمود کی رہائی

عربی کا ایک ایسا ناول جس کو پڑھتے ہوئے آنکھوں سے آنسو بھی رواں ہو جاتے ہیں اور دلوں میں کچھ کرنے کے عزائم بھی انگڑائی لینے لگتے ہیں...... قدم قدم پر خوف اور امید ایک ساتھ چلتے ہیں...... بلند حوصلہ فلسطینی اور خون خوار اسرائیلی ہر موڑ پر آمنے سامنے ہوتے ہیں......

تاریخی سچائیوں کے پس منظر میں لکھی جانے والی ایک فلسطینی بچے کی کہانی...... جو آپ کو غزہ، الخلیل اور مغربی کنارے سمیت تمام علاقوں کی سیر کرواتے ہوئے قبلۂ اول مسجد اقصیٰ شریف میں لا کر کھڑا کر دے گی۔

''حرکۃ المقاومۃ الاسلامیۃ'' کے عظیم راہنما یحییٰ السنوار کے قلم سے نکلی ہوئی تجسس بھری یہ داستانِ خونچکاں ہوش رُبا بھی اور چشم کشا بھی...... ''الشوک والقرنفل'' کے نام سے انہوں نے یہ کہانی اسرائیل کے جیلوں میں بیٹھ کر قید و بند کی تکالیف سہتے ہوئے لکھی تھی......

گیارھویں فصل

محمود کی رہائی کا وقت قریب آ رہا تھا، میری ماں نے اس کے استقبال اور اس کی دوبارہ فتح کی خوشی منانے کی تیاری شروع کر دی تھی، ہم نے گھر کو چونے سے رنگ دیا، اور حلبہ، بسبوسہ (بسبوسہ ایک مشہور عربی میٹھا ہے جو عام طور پر سمولینا (سویدا) کے آٹے، چینی، دہی، اور گری دار میوے سے تیار کیا جاتا ہے) اور دیگر قسم کی کھانے کی چیزیں تیار کیں، ہم نے دوبارہ ان منصوبوں اور امیدوں کے بارے میں بات کرنا شروع کر دیں جو ہم نے اس کے مصر سے واپسی پر کی تھیں۔

رہائی کے دن ہم سب اپنی مکمل تیاریاں کر کے سرائے کے دروازے کے سامنے کھڑے ہو گئے، دوپہر کے وقت وہ سرائے کے دروازے سے نکلا، جب اس نے ہمیں دیکھا تو ہماری طرف دوڑا اور ہم اس کی طرف دوڑے اور ہم نے اسے گلے لگا لیا اور شکر کی دعائیں پڑھنے لگے، حسبِ معمول میری ماں دیر سے پہنچی، محمود اس کے پاس پہنچا اور اس کا سر اور ہاتھ چومنے لگا وہ اسے روکنے کی کوشش کرتے ہوئے کہنے لگی "نہیں، باش مہندس"۔

پھر ہم گھر کی طرف روانہ ہوئے اور ہمارے سر فخر سے بلند تھے، جب بھی ہم کسی جاننے والے کے پاس سے گزرتے، وہ جلدی سے کھڑا ہو جاتا ہماری طرف متوجہ ہو جاتا اور ہمیں مبارکباد دیتا، محمود کو گلے لگاتا اور کہتا "الحمدللہ، باش مہندس، آپ کی سلامتی پر شکر ہے، جب ہم محلے کے کنارے پہنچے تو وہاں سب ہمارے انتظار میں تھے اور محمود کا استقبال فاتحین کی طرح کیا گیا، خوشیاں اور تقریبات کئی دن تک جاری رہیں اور مبارکباد دینے

والے آتے رہے۔

جب ہماری خوشیاں محمود کی قید سے رہائی کے بعد ختم ہوئیں، تو ہم نے اس کی ملازمت کی خوشیوں کا جشن منانا شروع کیا، اس نے ایجنسی کے دفتر جانا شروع کیا اور مختلف منصوبوں میں بطور عماراتی انسپکٹر اور شہری انجینئر کام کرنے لگا، یہ واضح تھا کہ لمبے عرصے کے بعد ہمارے لیے آسمان کے دروازے کھل گئے تھے، کیونکہ ایجنسی کی نوکری میں بہت عمدہ تنخواہ ملتی تھی، جب ہماری خوشیاں محمود کی ملازمت کے بعد ختم ہوئیں، تو ایک نئی خوشی شروع ہوئی، میری بہن فاطمہ کی منگنی محمود کے ایک ساتھی سے ہوئی اور پھر شادی کی تیاریاں شروع ہوئیں، فاطمہ کے شادی کے دن، جب وہ اپنے شوہر کے گھر منتقل ہوگئی اور ہم شادی کی تقریب سے واپس آئے، تو ہمیں لگا کہ گھر کا ایک ستون گر گیا ہے، فاطمہ نے ہمارے گھر کو بھر رکھا تھا، بلکہ مجھے ذاتی طور پر لگا کہ میرا دل میرے سینے سے باہر نکل گیا ہے، لیکن وقت کے ساتھ ہم اس کے عادی ہوگئے، خاص طور پر جب ہمیں معلوم ہوا کہ وہ اپنی گھر میں خوش ہے۔

تھوڑی ہی مدت بعد ہمارے پڑوسی، ام العبد کے بیٹے عبدالحفیظ کو بھی رہا کر دیا گیا، جو کہ جبہۃ الشعبیہ سے تعلق رکھنے اور کام کرنے کے الزام میں قید تھا، محلے نے اس کا بھی محمود کی طرح گرم جوشی سے استقبال کیا اور اس کی ماں، ام العبد نے بھی اس کی رہائی کی خوشی میں مٹھائیاں تیار کیں۔

میرے بھائی محمود کا اور عبدالحفیظ کا استقبال بہت ہی عجیب تھا، ایک طرف تو ان میں

بہت ہی دوستانہ تھا کیونکہ وہ دونوں جیل میں ایک ساتھ رہے تھے، اور انہوں نے ایک ساتھ ہڑتالیں اور مشکلات کا سامنا کیا تھا، جس کی وجہ سے وہ گہرے دوست بن گئے تھے، دوسری طرف ان کے درمیان ایک شدید دشمنی بھی واضح تھی کیونکہ جب بھی سیاسی اور فکری معاملات پر بات ہوتی تھی تو وہ جلد ہی ایک دوسرے پر تنقید کرنے لگتے تھے۔

محمود کی نوکری کے چند مہینوں بعد میری ماں نے اصرار کیا کہ ہم اپنے منصوبے شروع کریں اور ایک نیا گھر بنائیں جو باش مہندس کے لائق ہو، اور اس کے دوستوں، ساتھیوں اور محلے کے نوجوانوں اور مردوں کی میزبانی کر سکے، ہم نے ایک مزدور کرائے پر لیا، ضروری مواد خریدا، اور ایک وسیع کمرہ بنایا جس کی دیواریں اونچی تھیں، چھت پر ایسبسٹوس کی چادر تھی، اس میں کئی بڑی کھڑکیاں اور ایک بہترین لکڑی کا دروازہ تھا، اور اس کا فرش اونچا اور سیمنٹ کا تھا۔

اس کے بعد میری ماں نے اصرار کیا کہ ہم ایک بستر خریدیں، وہ استعمال شدہ تھا لیکن ہمارے گھر میں ترقی کی دنیا میں ایک نئی بات تھی، محمود اس پر سوتا تھا اور کبھی کبھی ہم میں سے کوئی اس پر کچھ وقت کے لیے لیٹ جاتا تھا، پھر ہم نے ایک میز اور دو کرسیاں خریدیں، اور اس طرح گھر میں واضح ترقی ہونے لگی، پھر محمود کی شادی کے بارے میں بات بڑھنے لگی اور میری ماں اس سے اس لڑکی کے بارے میں بات کرنے لگی کہ وہ اپنی دلہن میں کون کون سی خصوصیات چاہتا ہے؟

مقاومت کی شدت کم ہونے لگی تھی، کیونکہ بہت سے لوگوں کو گرفتار کر لیا گیا تھا، اور

بہت سے شہید ہو گئے تھے، اور دنیا لوگوں کے لیے کھل گئی تھی اور انہیں مشغول کر دیا تھا، اس کے علاوہ اسرائیلی خفیہ ادارے نے مقاومت کے خلاف بڑی کامیابیاں حاصل کی تھی، جہاں انہوں نے بڑی مقدار میں اسلحہ اور گولہ بارود ضبط کیا تھا، ایسا لگتا تھا کہ ان کی معلومات اور فلسطینی حقیقت کی جانکاری میں بہت زیادہ اضافہ ہوا تھا جس کی وجہ سے وہ مقاومت کو محدود اور پریشان کرنے میں کامیاب تھے، عوامی آزادی کی فوج بڑی حد تک کمزور ہونے لگی تھی، کیونکہ یہ ایک عسکری تنظیم تھی اور اس کا تنظیمی پہلو اور بیرونی حمایت نہیں تھی، اور اس کا وجود غزہ کے علاقے تک محدود تھا، مغربی کنارے میں نہیں تھا، وقت کے ساتھ ساتھ، اس نے فتح اور عوامی محاذ کی جگہ لینا شروع کر دی، بہت سے نوجوانوں کی گرفتاری اور قید کے بعد، جب ان کی سزائیں ختم ہوئیں اور انہیں رہا کیا گیا، تو فکری اور سیاسی رجحانات کا ابھار ہونے لگا، جس کے نتیجے میں ان نوجوانوں کے خاندانوں میں اور ان کی بند حلقوں میں شدید فکری اور سیاسی مباحثے ہونے لگے، اور واضح طور پر یہ سننے میں آیا کہ کچھ لوگوں نے فتح کا نقطہ نظر اپنایا اور اس کے خیالات پیش کیے، اور کچھ لوگوں نے الجبہۃ الشعبیہ کا نقطہ نظر اپنایا اور اس کے خیالات اور نظریات کو اپنایا۔

عبدالحفیظ اکثر ہمارے گھر آتا تھا، وہ اور دوسرے لوگ میرے بھائی محمود کے کمرے میں بیٹھتے تھے اور فکری مسائل پر گفتگو کرتے تھے، عبدالحفیظ مارکسی سوشلسٹ تھا اور اس فکر کی دعوت دیتا تھا، وہ تاریخ کی حرکت (دیالیکٹک) سے متعلق مسائل پر بحث کرتا تھا، مارکس، لینن یا اینگر کی لکھی ہوئی کتابوں کا حوالہ دیتا تھا اور ہمارے عوام کی جدوجہد اور ان کے جائز

حقوق کے لئے سوویت یونین کی حمایت اور سوشلسٹ ممالک کی حمایت کی بات کرتا تھا، وہ کہتا تھا کہ ہمیں ان دوستیوں اور حمایتوں کو استعمال کرنا چاہئے، محمود کا نقطہ نظر مختلف تھا، اس کا خیال تھا کہ ہمارا قومی مسئلہ کسی بھی فکری دھارے میں تقسیم ہونے کا متحمل نہیں ہے، ہر کسی کو اپنی فکر اپنانے کی آزادی ہے، لیکن اہم یہ ہے کہ ہماری تمام کوششیں قومی متحدہ تحریک کے تحت مرکوز ہونی چاہئیں، جو تحریک فتح ہے، جس میں مذہبی اور سیکولر، کمیونسٹ، عیسائی اور مسلمان سب شامل ہیں اور فکری اختلافات کی گنجائش نہیں ہے، جب بھی وہ ہمارے گھر یا ام العبد کے گھر میں ملتے، یا سڑک کے کونے پر کھڑے ہوتے، تو یہ مباحثے شروع ہو جاتے اور آوازیں بلند ہو جاتیں، ہر کوئی اپنے موقف پر شدت سے بات کرتا اور کبھی کبھی بحث اتنی تیز ہو جاتی کہ جھگڑے کی شکل اختیار کر لیتی، لیکن آخر میں وہ چائے پیتے اور اپنے اپنے کاموں میں مشغول ہو جاتے۔

دوسری طرف، شیخ احمد نے کچھ نوجوانوں کو نماز کے لئے بلانا شروع کیا، اور وہ مسجد آنے لگے، نمازیں ادا کرتے، پھر ایک حلقے میں بیٹھ کر قرآن پڑھتے یا کسی دینی کتاب کا مطالعہ کرتے، شیخ احمد انہیں شرح و تفسیر سے سمجھاتے اور تربیت دیتے، نوجوان ان کی باتوں کو سمجھتے اور قبول کرتے، شیخ احمد ان نوجوانوں کو ہدایات دیتے اور وہ پھیل جاتے، پھر نئے نوجوان مسجد آتے اور یہ حلقہ بڑھتا جاتا۔

میرے بھائی حسن دل کا سب سے اچھا تھا اور دوسروں کی خاطر قربانی دینے کے لئے ہمیشہ تیار رہتا تھا، اس نے گھر کی ذمہ داری اور محمود کی تعلیم کے اخراجات اٹھائے، وہ سبزی کی

دکان پر کام کرتا اور اپنی تعلیم جاری رکھتا، پھر اس نے صنعت کی تعلیم قبول کر لی حالانکہ اس نے ثانوی تعلیم میں اعلیٰ نمبر حاصل کیے تھے اگر اسے مناسب موقع ملتا تو وہ بھی انجینئرنگ یا سائنس کی تعلیم حاصل کر سکتا تھا، لیکن حالات سخت تھے، اس نے صنعت کی تعلیم قبول کر لی اور سبزی کی دکان کی ذمہ داری بھی سنبھالی، وہ صنعت کے اسکول سے خراطہ اور برادہ کے شعبے سے تقریباً فارغ التحصیل ہو چکا تھا۔

خراطہ (یعنی ٹرننگ) اور برادہ (یعنی ملنگ) دو اہم مشینی عمل ہیں، جو مختلف دھاتوں اور دیگر مواد کی شکل اور سائز کو تبدیل کرنے کے لئے استعمال ہوتے ہیں۔

اپنے سبزی کے ٹھیلے پر کام کرتے ہوئے، حسن کی ملاقات شیخ احمد سے ہوئی جو کئی بار اپنے گھر کی ضروریات حسن سے خرید چکے تھے، شیخ احمد نے حسن کی خوش اخلاقی اور اعلیٰ اخلاق کو دیکھا اور اسے آخرت کی یاد دلاتے ہوئے اور اللہ کی نافرمانی اور اس کے حکم کی مخالفت کرنے کے خطرات سے آگاہ کرتے ہوئے اور اللہ کی نعمتوں میں جو اس کے پاس ہے طمع دلاتے ہوئے نماز پڑھنے اور مسجد آنے کی دعوت دی، شیخ احمد نے بتایا کہ دین کا راستہ اور اس پر استقامت سب سے بہترین راستہ ہے جو دنیا میں خوشی اور کامیابی، اور آخرت میں کامیابی اور فلاح کی جانب لے جاتا ہے، حسن کے دل میں شیخ احمد کی باتیں گھر کر گئیں اور اس نے شیخ احمد سے وعدہ کیا کہ وہ نماز شروع کرے گا اور مسجد آئے گا، واقعی اسی شام حسن نے وضو کیا اور نماز پڑھنا شروع کر دی، اور جب بھی موقع ملتا مسجد جاتا، عام طور پر حسن مغرب کی نماز کے وقت مسجد جاتا اور عشاء کی نماز تک وہیں رہتا، عشاء کے بعد وہ گھر واپس آتا، گھر والوں کے لئے یہ

بات بہت قابل قبول تھی، خاص طور پر میری ماں کے لئے کیونکہ نماز پڑھنا اور مسجد جانا ایک پسندیدہ عمل تھا، حسن بڑا اور سمجھدار تھا اور اس بارے میں کوئی تشویش نہیں تھی وہ کبھی کبھار میرے بھائی محمود اور ہمارے پڑوسی عبدالحفیظ اور دوسرے نوجوانوں کے درمیان ہونے والی بحثوں میں بھی حصہ لیتا، جہاں وہ عبدالحفیظ کے مقابلے میں بہت سخت ہوتا اور اسے الحاد، بے ایمانی اور کفر کے الزامات دیتا، عبدالحفیظ کی فکری سطح حسن سے بہت بہتر تھی، شاید جیل میں گزارے وقت نے عبدالحفیظ کو یہ فکری مہارتیں فراہم کی تھیں، وہ دینی فکر پر حملہ کرتے ہوئے کہتا کہ دین لوگوں کے لئے ایک نشہ آور چیز ہے اور مزاحمت میں کہاں ہیں دیندار اور ان کا کردار اور قومی جدوجہد؟ حسن کمزور جوابات دیتا اور محمود کے ساتھ بھی ٹکراتا جہاں وہ دین کی طرف واپسی اور آزادی کی جدوجہد میں اس کی اہمیت پر زور دیتا، محمود مضبوط جواب دیتا کہ دین میں کوئی شک نہیں، لیکن ہمیں اس وقت قومی آزادی پر توجہ دینی چاہیے اور کسی فکری یا دینی اختلاف میں نہیں پڑنا چاہیے، حسن خاموش ہو جاتا اور کوئی جواب نہ دیتا، خاص طور پر جب محمود پوچھتا کہ ہمارے عیسائی کا کیا ہوگا؟ اور نیشنل جدوجہد میں ان کا کردار کیا ہوگا؟ اگلے دن حسن مسجد سے چند کتابیں لے کر آیا جن میں سے ایک مارکسی فکر اور سوشلزم کے نظریات کو رد کرتی تھی، دوسری اسلام کا معاشی نظام پر تھی، اور تیسری عقیدہ پر مبنی تھی وہ انہیں اپنے پاس رکھ کر ورق پلٹنے اور گزشتہ بحث میں ناکام سوالات کے جوابات تلاش کرنے لگا۔

محمود نے حسن پر ہونے والی تبدیلیوں پر تبصرہ کرنا شروع کر دیا اور کبھی کبھار اس مسجد اور اس میں ہونے والی سرگرمیوں کے بارے میں سوالات کرنے لگا، محمود نے حسن کو ان لوگوں

سے دور رہنے کی نصیحت کی، لیکن جب حسن نے اس کی بات نہیں سنی، تو محمود نے ہماری ماں کے اثر ورسوخ کا استعمال کرتے ہوئے حسن کو ان لوگوں سے دور رکھنے کی کوشش کی، ہم اکثر "اخونجیہ" جیسے لفظ سنتے تھے، محمود کہتا تھا کہ شیخ احمد اور وہ لوگ جو مسجد میں آتے ہیں، دینی کتابیں پڑھتے اور بانٹتے ہیں، وہ اخوان المسلمین کے ہیں، وہ اپنی ماں کو ڈراتا کہ حسن اخونجیہ نہ بن جائے کیونکہ وہ قومیت پر یقین نہیں رکھتے اور جمال عبدالناصر کے خلاف ہیں، انہوں نے اسے قتل کرنے کی کوشش کی تھی، حکومتیں بھی ان کے خلاف ہیں اور ان کا پیچھا کرتی ہیں، اور اگر حسن اخونجیہ بن گیا تو وہ بلاوجہ خطرے میں پڑ جائے گا۔

میری ماں حسن کو بلاتی اور اس سے محمود کی باتوں کے بارے میں پوچھتی، خصوصاً اخوان المسلمین کے بارے میں، حسن صاف انکار کرتا کہ وہ اخوان المسلمین کا حصہ نہیں ہے، نہ ہی مسجد میں آنے والے کسی نے اس سے اخوان کے بارے میں بات کی ہے، اور نہ ہی اس نے کسی کو اس بارے میں بات کرتے سنا ہے، وہ کہتا ہے کہ مسجد میں صرف نماز، قرآن کی تعلیم اور دینی تعلیم ہوتی ہے، تو کیا یہ غلط ہے؟ اس پر ماں کہتی، نہیں، پھر اسے نصیحت کرتی کہ ہوشیار رہے اور ایسے معاملات میں نہ پڑے جو مشکل پیدا کریں، اور حسن اسے یقین دہانی کراتا اور مزاحمت کرتا، آخر میں ماں مطمئن ہو کر چلی جاتی، میں، محمود، حسن، اور ماں کے درمیان ہونے والی باتیں سنتے رہتے، محمود کی باتیں زیادہ منطقی لگتی تھیں، لیکن حسن کی سادگی اور معصومیت زیادہ اطمینان بخش تھیں، شاید حسن نے اچھا کیا کہ اس نے مجھے نماز پڑھنے اور مسجد جانے کی ترغیب دی، میں بھی کبھی نماز پڑھتا اور کبھی چھوڑ دیتا، میں نے کئی بار اس کے ساتھ مسجد جا کر

مغرب اور عشاء کے درمیان ہونے والے حلقے میں شرکت کی، جو شیخ احمد کی سربراہی میں ہوتا تھا، میں نے کئی بار سورۃ الزمر اور المدثر کی تفسیر کی نشستوں میں شرکت کی، شیخ کا کلام بہت اثر انگیز اور خوبصورت تھا، جب وہ جنت اور آخرت کے مناظر، عذاب اور نعمتوں کو بیان کرتے تھے، وہ بیان کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے احکامات کیسے قبول کیے، دعوت کی ذمہ داری اٹھائی اور اس کو کیسے پہنچایا۔

حسن نے صنعت سے گریجویشن کی اور فوری طور پر غزہ کے علاقے زیتون میں ایک لوہار اور مکینک ورکشاپ میں معقول تنخواہ کے ساتھ ملازمت حاصل کر لی، اس وعدے کے ساتھ کہ اگر اس نے اپنی فنی صلاحیتیں اور قابلیتیں ثابت کیں تو اسے مزید اضافہ ملے گا، یہ واضح ہو چکا تھا کہ کئی سالوں کی غربت اور قحط سالی کے بعد ہم اپنی زندگی کے سنہری دور میں داخل ہو چکے ہیں، اس وقت میں اپنی مڈل اسکول کی تعلیم مکمل کرنے کے قریب تھا، اور میرا چچا زاد ابراہیم نے ہائی اسکول شروع کر دیا تھا، اور میرا بھائی محمد سائنس سیکشن کے دوسرے سال میں تھا، تہانی نے ہائی اسکول کی تعلیم مکمل کی اور غزہ میں ٹیچرز ٹریننگ کالج میں داخلہ لینے کے لیے رجسٹریشن کروائی اور اس وقت نتائج کا انتظار کر رہی تھی، ایسا لگتا تھا کہ دنیا ہم پر دوبارہ مسکرا رہی ہے۔

کئی سالوں غائب رہنے کے بعد ہمارا چچا زاد حسن دوبارہ ہمارے سامنے آیا، لیکن ایک نئی شکل میں، وہ اب بڑا آدمی بن چکا تھا، اس نے اپنی داڑھی اور بالوں کو رنگ لیا تھا، اور اس کے کپڑے عجیب اور خوفناک تھے جیسے یہودیوں کے کپڑے، اس نے اپنی گردن میں

سونے کی چین پہن رکھی تھی اور کلائی کے گرد موٹی سونے کی چین باندھی ہوئی تھی، اس نے ایک پھٹا ہوا کاؤبوائے پینٹ پہنا ہوا تھا اور اس کے ہاتھ میں سگریٹ کا پیکٹ تھا، وہ بالکل کسی دوسرے سیارے سے آیا ہوا معلوم ہوتا تھا، اس نے دروازہ کھٹکھٹایا، میں نے دروازہ کھولا اور پہلی بار میں اسے پہچان نہ سکا، اس نے میرے بالوں میں انگلیاں ڈال کر کہا: تم احمد ہو؟ میں نے اس کی آواز سے پہچانا: تم حسن ہو؟ "ہاں" تو میں چلّایا، "ماں، محمود! یہ میرا چچا زاد حسن ہے، جو واپس آ گیا ہے، سب اپنے کمروں سے دوڑتے ہوئے دروازے کی طرف آئے، اور حسن نے اندر کی طرف دو قدم بڑھائے، ہر کوئی جو دوڑتا ہوا آیا، جیسے ہی اس نے حسن کو دیکھا، رک گیا، جیسے انہیں بجلی کا جھٹکا لگا ہو، اور وہ نہیں جانتے تھے کہ کیا کہیں، سب سے پہلے میرے بھائی محمود نے ہوش سنبھالا، آگے بڑھا اور سلام کیا، پھر ابراہیم نے بھی سلام کیا، اور محمود اسے اپنے کمرے میں لے آیا، ہم سب بھی ان کے پیچھے چلے اور میری ماں چائے بنانے چلی گئی۔

ہم کمرے میں بیٹھ گئے اور محمود نے اس سے پوچھنا شروع کر دیا کہ اس کے ساتھ کیا ہوا؟ اور وہ کس طرح یہاں تک پہنچا؟ اور اس کی خبر کیا ہے؟ اس نے ہمیں بتایا کہ وہ تل ابیب میں رہتا ہے اور اپنی یہودی گرل فرینڈ کے والد کی فیکٹری میں کام کرتا ہے، اور اس کی صورتحال بہت اچھی ہے، اس نے بتایا کہ وہ یافا میں ایک شاندار کرائے کے فلیٹ میں رہتا ہے، اہم بات یہ تھی کہ وہ عربی بولتے ہوئے ہکلاتا تھا اور اپنی بات چیت میں عبرانی الفاظ کثرت سے استعمال کرتا تھا، میری ماں چائے لے کر آئی اور اسے میز پر رکھ دیا، اس نے

میری ماں سے پوچھا: آپ کیسی ہیں چچی؟ اس نے جواب دیا: "الحمد للہ" اس نے کہا: اہم بات یہ ہے کہ آپ نے اچھی زندگی گزاری، لیکن مجھے دیکھو کہ کیمپ کی بدبختی اور محرومی میں سے باہر نکلا، دنیا دیکھی، اور سکون سے زندگی گزاری، میری ماں نے طنزیہ لہجے میں کہا: ہاں، دنیا دیکھی اپنی یہودی گرل فرینڈ کے ساتھ۔

اس نے کہا: اچھا، یہودیت میں کیا ہے؟ اسی اثناء میں محمود داخل ہوا اور پوچھنے لگا: اہم بات کیا ہے حسن بتاؤ؟ حسن نے جواب دیا: نہ پہلے نہ بعد، بس میں آیا ہوں تم لوگوں کو سلام کرنے اور ابراہیم کو دیکھنے، اس نے اپنے جیب میں ہاتھ ڈالا، اپنا بٹوا نکالا اور اس میں سے ایک بڑی گڈی نوٹوں کی نکالی، اور ایک بڑی رقم شمار کر کے ابراہیم کی طرف بڑھائی، ابراہیم نے کوئی حرکت نہیں کی اور ہم سب خاموش رہے حسن نے کہا: لے لو ابراہیم، ابراہیم نے جواب دیا: نہیں، شکریہ، میں اپنے چچا کے گھر رہنا چاہتا ہوں جیسے دوسرے لوگ رہتے ہیں، مجھے کسی چیز کی کمی نہیں، حسن نے کہا: لے لو، میں تمہارا بھائی ہوں، ابراہیم نے جواب دیا: تم میرے بھائی تب ہو، جب تم گھر لوٹ کر ہمارے ساتھ رہو گے اور یہودیوں اور ان کی زندگی کو چھوڑ دو گے، حسن نے کہا: آرام سے ابراہیم، آرام سے، کیا تم چاہتے ہو کہ میں کیمپ لوٹ آؤں؟ تم ہی میرے ساتھ کیوں نہیں آتے؟ ابراہیم نے جواب دیا: اللہ کی پناہ! حسن نے کہا: جیسے چاہو، محمود نے حسن سے بات چیت شروع کر دی اور اسے گھر واپس آنے کے لیے قائل کرنے کی کوشش کی کہ اس کا گھر ابھی بھی اس کا انتظار کر رہا ہے اور وہ اسے بنا اور سجا سکتا ہے اور ہم اس کی بہترین لڑکی سے شادی کروا سکتے ہیں، اور اس کے لیے ایک معزز کام تلاش کر سکتے ہیں، حسن پورے وقت مسکراتا رہا اور انکار کرتا رہا، پھر گرم جوشی سے الوداع کہہ کر چلا

گیا۔

میری ماں محمود کو شادی کے لیے قائل کرنے کی کوشش کرتی رہی اور وہ یہ کہہ کر ٹالنے کی کوشش کرتا رہا کہ گھر چھوٹا ہے اور اس میں شادی کے لیے مناسب نہیں ہے، تو اس نے اسے قائل کرنے کی کوشش کی کہ یہ عارضی ہوگا جب تک کہ وہ توسیع نہ کر لے، ہمارے پاس ابھی گھر میں تین کمرے ہیں، ایک جو ہم نے نیا بنایا ہے، اور دو پرانے کمرے جو ہم نے مرمت کیے ہیں، جہاں وہ، تہانی اور مریم ایک میں رہتے ہیں اور میرا بھائی حسن، محمد اور میں اور میرا چچا زاد بھائی ابراہیم دوسرے میں رہتے ہیں، اور وہ اپنی بیوی کے ساتھ نئے کمرے میں رہے گا۔

پھر وہ پوچھتا کہ اگر ہمارے پاس مہمان یا زائرین آئیں تو وہ کہاں بیٹھیں گے؟ تو وہ جواب دیتی کہ بچوں کے کمرے میں یا میرے اور لڑکیوں کے کمرے میں، کیا یہی حال نہیں ہے تمام کیمپوں کے لوگوں کا؟ اور اس کے علاوہ ہمارے پاس تمہارے چچا کا گھر بھی ہے اور ہم اس کے ایک کمرے کو مرمت کر کے اس میں توسیع کر سکتے ہیں اور واقعی یہ طے پایا کہ چچا کے گھر کے دو کمروں کو مرمت کیا جائے تا کہ ایک محمود اور اس کی بیوی کے لیے ہو، اور دوسرا حسن کے لیے جب وہ شادی کر لے، اور نیا کمرہ مہمانوں کے استقبال کے لیے رہے، نئے کمروں کی تعمیر کے بعد محمود نے اپنی ماں کو تجویز دی کہ اس کی شادی چند ماہ کے لیے ملتوی کر دی جائے اور وہ اور حسن ایک ساتھ شادی کریں تا کہ دو شادیوں کے اخراجات کی بجائے ایک ہی شادی کا خرچ ہو، اور حسن کے شادی کے اخراجات بچا لیے جائیں، بیچارے نیک دل حسن نے اپنی تعلیم میرے اور گھر کی خاطر قربان کر دی۔

آیئے ہماری خوشی کو ایک کر دیں، میری ماں نے اس خیال کو قبول کیا اور حسن کو قائل

کرنے کے لیے بات کرنے لگی، کمرہ تیار ہے اور شادی ہو گی اور ہو گی بس،، کئی دنوں کی کوششوں اور دباؤ کے بعد حسن نے بھی رضامندی ظاہر کی، اور میری ماں نے دونوں کے ساتھ ایک طویل گفتگو شروع کی کہ وہ کس کو چاہتا ہے؟ یا وہ کس قسم کی لڑکی چاہتا ہے؟ اور انہوں نے اسے فلاں فلاں کی بیٹی کی تجویز دی، اور ان گھروں کے دورے کیے تاکہ لڑکیوں کو ان کے گھروں میں دیکھ سکیں، اور گھروں کی صفائی اور ترتیب، اور گھر والوں کے عادات کا جائزہ لیا، اور مطلوبہ معیار سے غیر مطمئن واپس آئیں، تہانی نے میری ماں کو اپنی ایک ساتھی کو دیکھنے کا مشورہ دیا جو انسٹی ٹیوٹ میں تھی، جو چودھویں کی چاند کی طرح خوبصورت اور اخلاقی لحاظ سے بہترین تھی، اور ہمارے طبقے سے تعلق رکھتی تھی، اور اس کے گھر والے سادہ اور محترم لوگ تھے، میری ماں نے تہانی سے اس لڑکی کے گھر جانے کا منصوبہ بنایا، ہم گئے اور میری ماں انتہائی مطمئن اور خوش واپس آئی کیونکہ انہوں نے محمود کے لئے مناسب دلہن تلاش کر لی تھی، بس یہ باقی تھا کہ وہ اسے پسند کرے اور اس کے گھر والے رضامند ہوں اور کون باش مہندس محمود صالح سے انکار کرے گا؟ میری ماں نے محمود سے بات کی اور اس لڑکی کو بیان کیا تو اس نے ابتدائی رضامندی ظاہر کی کہ وہ لڑکی کو دیکھنے کے بعد حتمی فیصلہ کرے گا۔

میری ماں نے دوبارہ ابو محمد السعید کے گھر کا دورہ کیا، وہاں انہوں نے ام محمد سے بات کی کہ ہمیں ان کی بیٹی "وداد" کے لئے محمود کی طرف سے رشتہ بھیجنے کا شرف حاصل کرنا چاہتے ہیں، تو کیا ہم باضابطہ طور پر آئیں؟ ام محمد نے گھر میں جلد مشاورت کے بعد کہا: "آپ کا استقبال ہے"، اور انہوں نے جمعہ کے بعد کا وقت طے کیا، جمعہ کے دن میرے ماموں بھی وفد میں شامل ہونے آئے، اور میری بہن فاطمہ بھی، میری ماں، محمود، حسن اور تہانی تیار ہو کر دلہن

کے گھر گئے، حسب معمول مرد ایک کمرے میں بیٹھے اور عورتیں دوسرے کمرے میں، اور بہت ساری خیر مقدمی اور تعریفی باتیں ہوئیں، آخر میں، محمود اور وداد نے ایک دوسرے کو دیکھا اور دونوں نے ایک دوسرے کے بارے میں پسندیدگی اور رضامندی ظاہر کی تو زغارید (خوشی کے نعرے) بلند ہوئے اور ان کی منگنی کا اعلان کیا گیا، اور دو ماہ بعد نکاح اور شادی کے لئے اتفاق کیا گیا، تاکہ اہم ضروری کاغذی کارروائی مکمل کر سکیں، خاص طور پر حسن کے لئے دلہن کی تلاش مکمل کر سکیں، اور وداد معاملات کے انسٹی ٹیوٹ سے ڈپلومہ مکمل کر سکے۔

میری ماں نے حسن کے لئے مناسب دلہن کی تلاش جاری رکھی، اور دن بہ دن وہ کسی نہ کسی لڑکی کو دیکھنے جاتی تو کبھی اس کو اس وجہ سے پسند نہیں آتی کیونکہ اس کے بال گھنگریالے تھے، کبھی اس لیے کہ اس کی ناک لمبی تھی، کبھی اس لیے کہ اس کے دانت بڑے تھے، کبھی اس لیے کہ اس کا گھر صاف نہیں تھا، ہر دفعہ ماں اپنی تلاش سے واپس آکر حسن کو تفصیلی رپورٹ دیتی اور ساتھ میں تہانی بھی ہوتی، کافی محنت کے بعد حسن نے ماں سے پوچھا: ماں! آپ کیوں اتنی محنت کر رہی ہیں؟ ماں نے غصے اور محبت سے جواب دیا: کیوں نہ کروں، حسن، تم کم ہو گیا؟ حسن ہنستے ہوئے بولا: ماں، غلط مت سمجھو، میرا مطلب یہ ہے کہ دلہن تو یہاں نزدیک ہی ہے اور آپ کی نظر کے سامنے ہے، ماں حیران ہو کر بولی: کون؟ کیا مطلب ہے تمہارا؟ حسن نے کہا: "سعاد، ام العبد کی بیٹی، ہماری پڑوسن، ماں نے مسکراتے ہوئے چھیڑا: واقعی تم اس سے محبت کرتے ہو، حسن؟" حسن شرماتے ہوئے بولا: ماں، آپ مجھے جانتے ہیں میں نے کبھی اس پر نظر نہیں ڈالی، لیکن وہ خوبصورت، محترم اور ہماری طرح سادہ ہے، جیسے کہا جاتا ہے: اپنے ہی دیس کی مٹی سے گارا بناؤ، ماں نے سنجیدگی سے پوچھا: کیا تم اسے واقعی چاہتے

ہو؟حسن نے جواب دیا: ہاں، پوری سنجیدگی سے۔

ماں نے تہانی کو بلایا اور اسے بتایا، تہانی نے حیرت سے پوچھا: کیا تم واقعی اسے چاہتے ہو؟ حسن نے جواب دیا: ہاں، تہانی نے کہا: " واقعی وہ خوبصورت اور ایک عزت دار خاندان کی لڑکی ہے، ہم نے پہلے کیوں نہ سوچا؟ حسن نے جواب دیا: یہی دنیا کا حال ہے، سونا تمہارے ہاتھ میں ہوتا ہے اور تم دور دیکھتے ہو، ماں جلدی سے بولی: کل صبح ہی اس کا رشتہ مانگنے جاؤں گی، اللہ کے فضل سے، اور واقعی صبح سویرے ماں نے ام العبد سے صاف صاف بات کی اور بتایا کہ وہ سعاد کا رشتہ حسن کے لئے مانگ رہی ہے، ام العبد نے دوپہر تک کا وقت مانگا تاکہ اپنی بیٹی اور بیٹوں کی رائے لے سکے، دوپہر کو جب ماں ام العبد کے گھر گئی تو دونوں کے زغارید کرہمیں جواب معلوم ہوگیا، اور آس پاس کی پڑوسن بھی مبارکباد دینے آئیں۔

شادی کی تیاریاں زور وشور سے شروع ہوگئیں، دلہن اور دولہا کے لئے گھر کا سامان خریدنا، دونوں کے کپڑوں کا انتظام کرنا، تقریباً ایک مہینے تک ماں، کبھی ام العبد کے گھر، کبھی ابو محمد السعید کے گھر اور کبھی شہر کے مرکز میں کپڑے اور زیورات خریدنے میں مصروف رہیں، آخر کار تمام تیاریاں مکمل ہوگئیں اور نکاح اور شادی کا دن آپہنچا، مجھے اور محمد اور میرے چچازاد ابراہیم کو بہت ساری چیزیں تیار کرنی تھی، ہم نے کئی کرسیاں کرائے پر لیں، انہیں ایک گاڑی (کار) پر لے جاکر دروازے کے سامنے رکھ دیا، ہم نے بقلاوے کی ٹرے لیں، کافی مقدار میں گوشت اور دو بوری چاول خریدا اور ہمسایوں سے بڑی تعداد میں ٹرے جمع کیں، ہر ٹرے پر گھرانے کا نام لکھا تھا کہ ٹرے آپس میں نہ مل جائیں، میری ماں نے اپنی تین پڑوسی خواتین کے ساتھ مل کر کھانا بنانے میں مدد اور نگرانی کی، ہم نے شادی کے اسٹیج (اللوج) کی تیاری کی،

چند میزیں ادھار لیں، انہیں آپس میں باندھا اور دیوار کے ساتھ مضبوط کیا، ہم نے انہیں قالین اور چٹائیوں سے ڈھانپ دیا اور دو ڈبل بانس کی کرسیاں جو ہم نے پڑوسیوں سے ادھار لی تھیں، ان پر نماز کی چادریں بچھادیں، ہم نے ایک لمبی بجلی کی تار تلاش کی اور اسے ایک دور کے گھر سے جوڑا جہاں بجلی تھی، کیونکہ صرف کچھ ہی گھروں میں بجلی تھی، جو مالی طور پر بہتر حالت میں تھے، ہم نے رنگ برنگی لائٹوں کی ایک تار کرائے پر لی اور اسے شادی کے اسٹیج کے اوپر لگا دیا، یہ سب کچھ دوپہر بعد مکمل ہو گیا جب مہمان آنے لگے۔

عورتیں گھر کے اندر بیٹھ گئیں اور مرد باہر سڑک پر بنے شیڈ کے نیچے بیٹھے، عورتوں کے نغمے اور خوشی کے نعرے کبھی نہیں رکے، پھر ہم نے کھانا پیش کرنا شروع کیا، چاول کے ٹرے جن پر سرخ گوشت کے ٹکڑے تھے، پھر میں، محمود اور ابراہیم صابن کے ٹکڑے اور مٹی کے جگ لیے کھڑے ہو گئے اور ہمارے کندھوں پر تولیے تھے، جو مہمان کھانا کھا چکے تھے، وہ ہمارے پاس آئے، ہم میں سے ایک نے انہیں صابن کا ٹکڑا دیا اور دوسرے نے ان کے ہاتھوں پر پانی ڈالا، تاکہ وہ اپنے ہاتھ اور منہ دھو سکیں، وہ ہمیں مبارکباد دیتے اور پھر ہم انہیں تولیہ دیتے تاکہ وہ اپنے ہاتھ خشک کر سکیں، اس کے بعد وہ بقلاوے کی ٹرے سے میٹھا کھاتے جاتے، کھانا ختم ہونے کے بعد بہت سے مہمان اپنے گھروں کو واپس چلے گئے اور دلہا دلہن کے گھر والوں کے ساتھ کچھ قریبی رشتہ دار اور دوست باقی رہے، عورتیں نغمے اور خوشی کے نعرے لگاتے ہوئے ایک نئے گھر کی طرف چل پڑیں، ان کے ساتھ دف بھی بجتا رہا، جب وہ ابو محمد کے گھر کے قریب پہنچے تو وہ مشہور نغمہ پڑھنے لگیں: "عمین لفستن یا بنات... عادار ابو محمد لفینا بالیلہ، طلبنا منہ النسب... رحب واحترم یالیلہ... جب وہ دروازے تک پہنچے تو

اندر سے خوشی کے نعرے، مرد ایک کمرے میں داخل ہوئے جہاں مولوی صاحب موجود تھے، جنہوں نے نکاح کی رسم مکمل کی اور اسے دستاویز کی شکل دی، اس کے بعد مرد باہر آئے اور دروازے کے باہر انتظار کرنے لگے، دلہن تیار ہوکر باہر آئی، والد نے اس کا بازو پکڑا اور ایک بھائی نے دوسرا بازو پکڑا اور اسے محمود کے حوالے کر دیا جبکہ زغارید (خوشی کی آوازیں) بلند ہو رہی تھیں اور قافلہ گھر کی طرف واپس چل پڑا، عروس کو گھر میں داخل کیا گیا اور کچھ خواتین اس کے ساتھ رہیں اور کچھ زغارید گاتی رہی، پھر قافلہ دوبارہ نکلا اور چند قدموں پر موجود دوسری دلہن کے گھر پہنچا، اسی طریقے اور انہی اقدامات کے ساتھ، سعاد کے بھائیوں نے اس کا بازو پکڑا اور اسے حسن کے حوالے کر دیا جو زغارید کے درمیان اسے گھر لے گیا۔

دو دلہنوں کو ایک ہی کمرے میں داخل کیا گیا تھا کہ وہ زفاف (شادی کی تقریب) کی تیاری کر سکیں، میری ماں نے محمود اور حسن سے کہا کہ وہ اسٹیج پر چڑھ جائیں اور اپنی اپنی کرسی پر بیٹھ جائیں اور اپنی دلہن کا انتظار کریں تاکہ وہ ان کے ساتھ بیٹھ سکیں اور زفاف حسب معمول ہو سکے، محمود کے لئے کوئی مسئلہ نہیں تھا، لیکن حسن نے سختی سے انکار کر دیا اور کہا: میں کیسے بیٹھ سکتا ہوں جبکہ خواتین میرے سامنے آئیں گی، یہ حرام ہے، میری ماں حیران رہ گئی اور اس سے درخواست کرنے لگی کہ یہ ہماری زندگی کا وہ خوشی کا دن ہے جس کا ہم نے طویل عرصے سے انتظار کیا ہے، محمود نے بھی حسن سے درخواست کی کہ وہ شادی کی خوشی کو خراب نہ کرے، لیکن حسن نے سختی سے انکار کر دیا، گفتگو جاری رہی اور لمبی ہوگئی، آخر کار فاطمہ نے ایک درمیانی حل پیش کیا کہ محمود اور حسن آدھے گھنٹے کے لئے اسٹیج پر چڑھ جائیں اور اس دوران خواتین گانے کی بجائے صرف نغمے اور زغارید کریں، پھر دلہنیں نیچے اتر جائیں گی اور

ایک کرسی ہٹا دی جائے گی اور ایک کرسی پر بیٹھ جائیں گی اور خواتین ان کے ساتھ جیسے چاہیں برتاؤ کر سکیں گی، محمود نے اس پر اتفاق کیا اور حسن نے بھی آخر کار مان لیا، دونوں اسٹیج پر چڑھ گئے اور اپنی اپنی کرسی پر بیٹھ گئے، پھر دلہنیں باہر آئیں اور اپنے اپنے شوہر کے ساتھ بیٹھ گئیں، اور خواتین نے نغمہ اور زغارید کرنا شروع کر دیا۔

میری ماں کے آنسو مسلسل اس کے چہرے کو دھو رہے تھے، اور فاطمہ اس کے دائیں جانب اور تہانی بائیں جانب اسے پرسکون کرنے کی کوشش کر رہی تھی، رو کیوں رہی ہو، یہ وہ خوشی کا دن ہے جس کا تم نے طویل عرصے سے انتظار کیا ہے، میری ماں اپنے آنسو پونچھتی اور پھر آہستہ سے کہتی: "اگر تمہارے والد یہاں ہوتے تو، فاطمہ اور تہانی بھی آنسو بہانے لگتی اور آہستہ سے کہتی: کیوں اس زخم کو دوبارہ کھول رہی ہو، ماں؟ یہ تو پہلے ہی بھر چکا ہے۔

دلہنیں اپنے سفید لباس تبدیل کرنے کے لئے نیچے اتر آئیں، اور ایک کرسی لے لی، جگہ دوسری کو اسٹیج کے وسط میں رکھ دیا، محمود نے حسن کو چھیڑتے ہوئے کہا، "شیخ صاحب، ہر روز تو شادی نہیں ہوتی، واقعی تم تو اخوانی نکلے، پتہ نہیں کس نے میرے ساتھ تمہاری شادی کرائی، اللہ تمہیں جزا دے، حسن مسکراتے ہوئے بولا: چلو چلو، عورتوں کو خوش ہونے دو، ان کے پیچھے خواتین کے نغمے اور زغارید کی آواز بلند ہو رہی تھی لیکن یہ کیمپ کی حالت ہے، ہر خوشی پرانے زخموں کو پھر سے کھول دیتی ہے اور سب یادیں تازہ ہو جاتی ہیں۔

(جاری ہے......)

4

حفصہ منصور

سورۃ التکاثر

انہی دنوں حضرت مغیرہ بن شعبہ آپ کے پاس آئے اور عرض کیا کہ آپ عوام کے امام ہیں اور آپ جس حال سے دو چار ہیں وہ بھی آپ سے مخفی نہیں اس وقت تین باتوں میں سے آپ کوئی ایک بات اختیار کرلیں

(۱) آپ باہر نکلیں اور ان کا مقابلہ کریں ہم آپ کے ساتھ ہیں

آپ حق پر ہیں آپ کی حمایت میں لوگ کھڑے ہیں

(۲) آپ کے لیے پیچھے سے دروازہ کھول دیتے ہیں آپ وہاں سے نکل جائیں اور مکہ مکرمہ چلے جائیں وہاں کوئی شخص آپ کے خون سے ہاتھ رنگنے کی ہمت نہ کرے گا

(۳) ملک شام چلے جائیں وہاں حضرت معاویہ موجود ہیں یہ لوگ کسی طرح آپ کو نقصان نہیں پہنچا سکتے آپ نے اس کے جواب میں فرمایا

وَأَمَّا أَنْ أَخْرُجَ إِلَى مَكَّةَ فَإِنَّهُمْ لَنْ يَسْتَحِلُّونِي بِهَا، فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "يُلْحِدُ رَجُلٌ مِنْ قُرَيْشٍ بِمَكَّةَ، يَكُونُ عَلَيْهِ نِصْفُ عَذَابِ الْعَالَمِ" فَلَنْ أَكُونَ أَنَا إِيَّاهُ، وَأَمَّا أَنْ أَلْحَقَ بِالشَّامِ فَإِنَّهُمْ أَهْلُ الشَّامِ، وَفِيهِمْ مُعَاوِيَةُ، فَلَنْ أُفَارِقَ دَارَ هِجْرَتِي، وَمُجَاوَرَةَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (مسند احمد ج ا ص ۱۰۸ تاریخ دمشق ج ۱۶ ص ۲۱۷ ریاض ص ۶۹)

یہ نہیں ہوسکتا کہ میں حضور ﷺ کا خلیفہ ہو کر اُمت مسلمہ کو خون ریزی میں جھونک دوں۔ اور مکہ مکرمہ اس لیے نہیں جا سکتا کہ حضور ﷺ سے میں نے سنا ہے کہ جو قریشی حرم مکہ میں خون خرابہ کرے گا اور ظلم کرانے کا باعث بنے گا اس پر آدھی دنیا کے باشندوں کا عذاب ہوگا جہاں تک شام جانے کا تعلق ہے تو یہ اس لیے نہیں ہوسکتا کہ میں دار الہجرت اور حضور ﷺ کی مجاورت اور ہمسائیگی نہیں چھوڑ سکتا۔

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہ (۱۲۹۷ھ) شیعہ عالم مولوی عمار علی کے اس سوال کے جواب میں کہ صحابہ نے آپ کی مدد کیوں نہ کی تھی کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں

صحابہ نے بلواء قتل عثمان رضی اللہ عنہ کے دبانے میں اپنی طرف سے کوئی کوتاہی نہیں کی، پر مقدر یوں ہی تھا انہوں نے حتی المقدور بلوائیوں کو سمجھایا جب وہ اس سے بھی نہ سمجھے تو پھر انہوں نے حضرت عثمان سے قتال کی اجازت چاہی، پر حضرت عثمان ہی قتال اور جنگ کے روادار نہ ہوئے بلکہ کمال تاکید سے مانع آئے، لاچار ہو کے صحابہ خاموش ہو کر بیٹھ رہے بایں ہمہ پانی کے پہنچانے اور بلوائیوں کے ہٹانے میں آخر تک تدبیروں میں مشغول رہے حضرت زید بن ثابت تمام انصاریوں کو ساتھ لے کر آئے اور جوانان انصار نے کہا اگر تم کہو تو ہم دوبارہ انصار خدا بنیں۔ عبداللہ بن عمر تمام مہاجرین کے ساتھ آئے اور یہ کہا کہ جنہوں نے تم پر چڑھائی کر رکھی ہے انہیں ان کی حقیقت دکھلا دیں اور بھولے دن انہیں پھر سے یاد کرا دیں حضرت عثمان نے فرمایا نہیں ایک میری جان کے لیے اتنا بڑا ہنگامہ اسلام میں برپا مت کرو مگر بایں ہمہ حضرات حسنین، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن زبیر، ابو ہریرہ، عبداللہ بن عامر بن ربیعہ اور ان کے سوا صحابہ حضرت عثمان کے ساتھ ان کے گھر میں تھے اور جب بلوائی ہجوم کرتے تھے تو یہ سب صاحب پتھر لاٹھی مار مار کر ہٹاتے تھے اور دروازہ بند کر دیتے تھے اور حضرت کے غلام جو ایک فوج کی فوج تھے یہاں تک کہ اگر آپ ان کو حکم دے دیتے تو اہل بلوا کو حقیقت معلوم ہو جاتی ہتھیار اور لڑائی کا سامان لے کر حاضر ہوئے اور کمال زاری اور بے قراری سے کہا کہ ہم وہ لوگ کہ خراسان سے افریقہ تک کوئی ہماری تلوار کے سامنے نہیں ٹھہرا اگر حکم ہو تو ان لوگوں کا گھمنڈ نکال دیں اور تماشا دکھلا دیں کیونکہ سمجھانے سے تو ان کی اصلاح نہیں ہوتی انہوں نے دیکھا کہ کلمہ گوئی کے باعث ہمیں کوئی چھیڑ نہیں سکتا اس لیے رو براہ نہیں ہوتے اور تمہارے اور سوا تمہارے اور بڑے بڑے صحابہ کی بات نہیں سنتے حضرت عثمان یہی فرمائے جاتے تھے کہ اگر میری

خوشی منظور ہے اور میرا حق نمک ادا کرنا چاہتے ہو تو ہتھیار الگ کر کے اپنے گھروں میں بیٹھ جاؤ اور جو ہتھیار الگ کر دے گا اسے میں نے آزاد کیا، واللہ خونریزی خلائق سے پہلے اگر میں مقتول ہو جاؤں تو یہ مجھے اچھا معلوم ہوتا ہے اس بات سے کہ خون ریزی کے بعد مارا جاؤں یعنی میری شہادت تو لکھی ہوئی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے فرما دیا تھا تم لڑو یا نہ لڑو میں مقتول ہوں گا سو کیا فائدہ کہ لوگ بھی مارے جائیں اور مطلب بھی حاصل نہ ہو۔ اور تواریخ فریقین میں موجود ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے صاحبزادوں اور حضرت جعفر کی اولاد کو اپنے غلام قنبر کو حضرت عثمان کے دروازہ پر متعین کر رکھا تھا اور حضرت طلحہ اور حضرت زبیر نے بھی اپنے صاحبزادوں کو دروازہ پر بٹھا دیا تھا تا کہ بلوائیوں کو دھکے دیتے رہیں سو جب اہل بلوا ہجوم کر کے آتے تھے یہ سب لوگ لاٹھی لکڑی سے جو ہاتھ میں آجاتا تھا لڑتے تھے یہاں تک کہ حضرت سبط اکبر امام ہمام امام حسن رضی اللہ عنہ خون آلود ہو گئے محمد بن طلحہ اور قنبر کے سر پر زخم لگا جب دروازہ کی راہ سے اہل بلوا کو آنے کی کوئی صورت نظر نہ آئی اور اندر گھسنے کی کوئی تدبیر نہ سوجھی تو پیچھے سے بعض انصاریوں کے گھر میں نقب دے کر اندر گھس گئے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا......شارح نہج البلاغۃ نے روایت کیا ہے کہ حضرت علی بلوا کے دنوں میں جب حضرت عثمان کے گھر میں آتے تھے تو بلوائیوں کو چابک مار مار کر دفع کرتے تھے اور انہیں بُرا بھلا کہتے تھے اور ان پر لعنت کرتے تھے ابن عثم کوفی یعنی شیعوں کا مؤرخ جو حضرت عثمان اور دوسرے صحابہ کا دشمن ہے وہی اپنی فتوح میں نقل کرتا ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ نے فرزند ارجمند سبط اکبر امام حسن رضی اللہ عنہ کو بلا کر فرمایا کہ حضرت عثمان کے پاس جاؤ اور کہو میرے والد کا دل تمہاری طرف ہی لگا ہوا ہے میں سنتا ہوں کہ یہ لوگ تمہارے مقدمہ میں بہت کچھ شور کر رہے ہیں اور کسی نصیحت کو نہیں سنتے اور تمہارے قتل کا ارادہ کئے بیٹھے ہیں اس لیے تمہاری طرف سے مجھے بہت اندیشہ ہو رہا ہے اگر حکم دیں تو میں بھی آکر آپ کا مدد گار رہوں اور ان لوگوں سے لڑوں اور

جس طرح بن پڑے ان لوگوں کو تمہارے دروازہ سے ہٹاؤں حضرت امام حسن اپنے والد ماجد کے حسب ارشاد حضرت عثمان کے پاس آئے اور یہ پیام پہنچایا انہوں نے فرمایا کہ میں نہیں چاہتا کہ آپ یہ تکلیف اُٹھائیں اوران لوگوں سے لڑیں (ھدیۃالشیعہ ص ۲۰۷ تا ۲۰۹)

تاریخ گواہ ہے کہ حضرت عثمان کی مدافعت میں حضرت حسن مجروح بھی ہوئے آپکے ساتھ زخمی ہونے والے لوگوں میں عبداللہ بن زبیر اور مروان بھی تھے۔

وَجُرِحَ عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ الزُّبَیْرِ جِرَاحَاتٍ کَثِیْرَۃً، وَکَذٰلِکَ جُرِحَ الْحَسَنُ بْنُ عَلِیٍّ ومروان ابن الحکم (البدایہ ج۷ ص ۱۸۸)

حضرت عثمانؓ کو اپنے گھر میں محصور ہوئے تقریباً چالیس دن ہورہے تھے آپ کے لیے پانی بند کردیا گیا آپ کو مسجد میں جانے سے روک دیا گیا آپ یہ سب کچھ صبر کے ساتھ برداشت کررہے تھے مگر باغیوں کا مطالبہ ماننے کے لیے تیار نہ تھے اور مانتے بھی کیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپکو سختی سے منع کردیا تھا اور فرمایا تھا کہ تم کبھی خلافت سے دست بردار نہ ہونا خواہ کچھ ہوجائے۔

حضرت عبداللہ بن سلام کہتے ہیں کہ میں حضرت عثمانؓ کے پاس آیا آپ کو سلام کیا تو آپ نے فرمایا کہ رات میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا آپ نے فرمایا کہ کیا تمہیں محصور کیا ہے میں نے کہا ہاں آپ نے فرمایا ان لوگوں نے تمہیں پیاسا رکھا میں نے کہا جی ہاں پس آپ نے ایک ڈول لٹکایا جس میں پانی تھا میں نے وہ پیا یہاں تک کہ سیر ہوگیا اور میں اب بھی اپنے سینے میں اس کی ٹھنڈک پاتا ہوں آپ نے فرمایا اگر تو چاہے کہ دشمنوں پر تجھے فتح ملے اور اگر تو چاہے کہ ہمارے ساتھ افطار کرلے۔ سو میں نے ان دونوں میں سے آپ کے ساتھ افطار کرنا چن لیا۔ حضرت عبداللہ بن سلام کہتے ہیں کہ اسی دن آپؓ شہید کردیئے گئے۔ (البدایہ ج۷ ص ۱۸۲)''

یہ وہ حضرات تھے جن کے پاس مال کثرت سے آیا مگر یہ لوگ اپنے وقار اور مقام سے نہیں ہٹے جو مقام خلیفہ راشد کا تھا وہ یہی کہ ساری دولت اور حکومت کے باوجود اپنے آپ کو عام انسانوں سے اوپر نہیں سمجھا اور جب تک عام انسان کا اپنے معیار زندگی اونچا نہیں ہوتا خلیفہ راشد اپنے لیے ایسی کوئی ادا اختیار نہیں کرے گا۔ یہی سیرت صدیق اکبر کی تھی فاروق اعظم کی اور حضرت عثمانِ غنی کی تھی اور یہی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم اجمعین کی تھی۔

☆......حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ کا معیار زندگی:

آپ نے یہ بات دیکھی ہوگی کہ کبھی انسان چھوٹی چھوٹی چیز پر اپنا حق جتاتا ہے اور بات مقدمہ تک آجاتی ہے آپ نے حضرت علی المرتضیٰ کا یہ واقعہ سنا ہوگا کہ جب آپ خلیفہ تھے تو ایک یہودی نے ایک زرہ کے بارے میں مقدمہ دائر کر دیا کہ یہ میری ہے اور میں نے یہ کسی کو فروخت بھی نہیں کی۔ اس پر آپ کو عدالت میں آنا پڑا۔ حضرت علی المرتضیٰ وہ خلیفہ راشد ہیں جو امیر المؤمنین ہیں اور عدالت میں آرہے ہیں۔ قاضی صاحب نے جب آپ کو دیکھا تو احتراماً کھڑے ہو گئے تو حضرت علی نے انہیں ٹوکا اور فرمایا اللہ تعالیٰ کی زمین پر اسلامی عدالت میں آج ایک بڑی غلطی ہوئی ہے۔

اور فرمایا قاضی کی نظر میں بادشاہ اور فقیر برابر درجے کے ہیں یہ کیا کہ میں خلیفہ ہوں تو قاضی میرے لیے کھڑا ہو گیا اللہ کے قانون عدل میں سائل اور مسئول برابر ہیں۔ قاضی کے اس طرح کھڑے ہونے سے عرش الٰہی کیوں نہ کانپے (۵)

(۵)۔ وفیات الاعیان لابن خلکان میں قاضی شریح کے تذکرہ میں اس کا ذکر ہے۔ اس میں ہے کہ قاضی شریح حضرت علی کے احترام میں کھڑے ہو گئے۔ تو حضرت علی نے اس پر نکیر فرمائی اور کہا کہ ھذا

اول جورک۔ (دیکھیے۔ وفیات الاعیان ج ۲ ص ۶۲ ۴ مطبوعہ مطبوعہ دارصادر بیروت۔ ۱۹۹۴)۔ الصدر الشہید کی شرح ادب القاضی للخصاف میں بھی اس کا ذکر ہے (دیکھیے ج ۲ ص ۹۰ مطبعہ مطبعۃ الارشاد بغداد ۱۹۷۷)۔امام الحرمین کی نہایۃ المطلب میں بھی اس کا ذکر ہے (ج ۱۸ ص ۵۷۳ مطبوعہ دارالمنہاج ۲۰۰۷) نیز دیکھیے: امام غزالی کو الوسیط فی المذہب ج ۷ ص ۳۱۳مطبعہ دارالسلام قاہرہ۔ ۱۴۱۷)، اور ابن الرفعۃ کی کفایۃ النبیہ ج ۱۸ ص ۱۴۳ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ ۲۰۰۹ء الیافعی کی مرآۃ الجنان ج ۱ ص ۱۲۸۔مطبوعہ دارالکتب العلمیۃ ۱۹۹۷اور ابن العماد کی شذرات الذھب ج ۱ ص ۳۲۰، وغیرہ بہت سی کتب میں اس کا ذکر ملتا ہے۔ تاہم بعض علماء نے اس واقعہ کی سندی حیثیت پر کلام بھی کیا ہے۔

اس سے قبل حضرت عمر فاروق نے بھی حضرت زید بن ثابت کو ان کے اکرامیہ سلوک پر یہی الفاظ ارشادفرمائے تھے۔ھذااول جورک... پھرقسم لے کرفرمایالا تدرک باب القضاء حتی لایکون لی عندک علی احد فضیلۃ (دیکھیے۔مسند ابن الجعد ص ۲۶۰ حدیث نمبر ۱۷۲۸۔مطبوعہ موسۃ نادر بیروت ۱۹۹۰)

حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ کا جب کبھی اپنا معاملہ بھی زیر بحث آتا تو آپ قاضی سے انصاف کے لئے فرماتے اور کہتے کہ یہ نہ دیکھو کہ امیر المومنین تمہارے سامنے ہے مقدمہ میں یہ دیکھنا کہ کون بڑا اور کون چھوٹا اور کون امیر اور کون غریب ہے انصاف کو تہہ و بالا کر دیتا ہے۔ جبکہ عدل و انصاف بسا اوقات انسانی زندگی میں بڑے انقلاب پیدا کرنے کا سبب بھی ہوتا ہے اس سلسلے کا ایک دلچسپ واقعہ ملاحظہ کیجئے امام عامر شعبی (۱۰۳ھ) کہتے ہیں کہ

ایک دن حضرت علی بازار گئے تو دیکھا کہ ایک عیسائی زرہ فروخت کر رہا ہے وہ زرہ حضرت علی کی تھی

آپ نے اسے پہچان لیا اور اس سے کہا کہ یہ زرہ میری ہے اس نے انکار کیا تو آپ معاملہ قاضی شریح کی عدالت میں لے گئے اور فرمایا کہ اس کا فیصلہ کریں عیسائی نے کہا کہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جھٹلاتا نہیں ہوں تاہم یہ زرہ میری ہے قاضی شریح نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا اس پر ثبوت پیش کریں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ شریح ٹھیک کہتے ہیں۔ چنانچہ آپ ثبوت میں کوئی گواہ نہ پیش کر سکے اور مقدمہ آپ کے حق میں نہ ہو سکا اس پر عیسائی بولا کہ

فقال النصرانی: أما أنا فأشهد أن هذه أحكام الأنبياء و أمير المؤمنين يجيء إلى قاضيه و قاضيه يقضي عليه هي و الله يا أمير المؤمنين درعك الخ (كنز العمال ج ۷ ص ۲۴)

میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ انبیاء کے احکام ہیں کہ امیر المؤمنین اپنے قاضی کے پاس آئیں اور قاضی ان کے خلاف فیصلہ دے اے امیر المؤمنین بخدا یہ زرہ آپ کی ہے

میں لشکر کے ساتھ آپ کے پیچھے آ رہا تھا یہ زرہ آپ کے اونٹ سے گر گئی تھی جسے میں نے اٹھا لیا میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں۔

فإني أشهد أن لا إله إلا الله و أن محمدا رسول الله، فقال علي: أما إذا أسلمت فهي لك و حمله على فرس عتيق (ايضا)

حضرت علی نے جب اسے کلمہ پڑھتے سنا تو کہا کہ یہ زرہ تیری ہے پھر آپ نے اسے ایک عمدہ گھوڑا بھی دیا (البدایہ ج ۸ ص ۵)

حضرت علی کا موقف تھا کہ بیٹے کی باپ کے حق میں گواہی قبول نہیں ہے اور آپ کے پاس جب بھی اس قسم کا مقدمہ آتا آپ اسے رد کر دیتے تھے تاہم آپ حضرت حسن اور حضرت حسینؓ کو اس قاعدے سے مستثنیٰ سمجھتے ہوں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں جنت کی بشارت سنائی تھی (مسند زید ج ۴ ص ۹۱) جبکہ

قاضی شریح کسی استثناء کے قائل نہ تھے مگر حضرت علیؓ نے کبھی انہیں برا بھلا نہیں کہا اور نہ کبھی کہا کہ میں منصوص من اللہ ہوں اس لئے میرا فیصلہ ہی آخری فیصلہ ہوگا واقعات گواہ ہیں کہ قاضی شریح نے آپ کے خلاف جب کوئی فیصلہ کیا تو آپ نے اسے قبول کرنے میں کوئی تامل نہ کیا آپ جانتے تھے کہ عہدہ قضاء معمولی عہدہ نہیں یہ ایک بڑی ذمہ داری کا اہم ہے۔ ایک دوسری روایت میں یہ واقعہ ایک یہودی کے ساتھ پیش آیا تھا۔

ایک مرتبہ حضرت علی کی زرہ گم ہوگئی کسی کو مل گئی اور اس نے فروخت کردی وہ زرہ ایک یہودی کے پاس شناخت کرلی گئی حضرت علی اپنی زرہ حاصل کرنے کے لئے قاضی شریح کی عدالت پہنچ گئے انہوں نے آپ سے گواہ مانگے تو آپ نے اپنے بیٹے حضرت حسن اور غلام قنبر کو پیش کیا قاضی شریح نے کہا کہ حضرت حسن کی جگہ کوئی اور گواہ پیش کریں اس پر حضرت علی نے کہا کہ آپ حسن کی گواہی مسترد کرتے ہیں قاضی صاحب نے فرمایا کہ نہیں یہ بات نہیں دراصل میں نے آپ ہی سے سنا ہے کہ باپ کے حق میں بیٹے کی گواہی جائز نہیں ہوتی

فقال: أترد شهادة الحسن؟ قال: لا ولكني حفظت عنك أنه لا تجوز شهادة الولد لوالده "

(کنز العمال ج ۷ ص ۲۵) یہ سن کر حضرت علی خاموش ہوگئے۔ چنانچہ اس یہودی نے اسلامی عدل وانصاف کے اس نمونہ کو دیکھ کر کہا امیر المومنین مجھے اپنے قاضی کے پاس لائے اور قاضی امیر المؤمنین کے خلاف فیصلہ دے رہے ہیں میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ دین، دین حق ہے اور گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں (اخبار القضاۃ الامام الوکیع ج ۲ ص ۲۰۰)

حضرت علی کا سابقہ خلافتوں کو سند رضا دینا:

حضرت علی المرتضی ہی کی یہ بات کہ جب سے خلافت کا آغاز ہوا ہے آج پہلی مرتبہ

عدالت میں یہ غلطی نظر آئی ہے۔اس سے آپ نے صدیق اکبر، فاروق اعظم اور عثمان غنی رضی اللہ عنہم کی خلافت کو سند دے دی کہ وہ ساری خلافتیں ٹھیک تھیں وہ عدل وانصاف سے کام کر رہی تھیں اس خلافت میں سب برابر تھے۔اور آج جو یہ غلطی نظر آئی ہے۔ یہ خلیفہ راشد کے معیار زندگی کے خلاف ہے اور میں اس پر مواخذہ کر رہا ہوں

خلافت کا منصب عوامی اور قومی ہے

عرض یہ کرنا ہے کہ اللہ تعالی نے جتنا بھی مال دیا یہ اللہ کی نعمت ہے لیکن خلافت کا جو منصب ہے وہ ایک عوامی اور قومی منصب ہے

خلفائے راشدین باوجودیکہ ایک اچھی زندگی بسر کر سکتے تھے مگر انہوں نے فقر اور عاجزی میں زندگی گزاری اور ایک عام انسانوں کے معیار زندگی کے مطابق اپنی زندگی بنا کر دکھائی یہ لوگ حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت پر چلے اور انہوں نے کھانے پینے رہنے سہنے اور لباس اس معیار پر رکھا جو عام انسان کا تھا اس سے بڑھا کر نہیں۔اور خلفائے راشدین کون تھے؟ اپنے اپنے وقتوں میں امیر المؤمنین اور حکمراں....ڈاکٹر اقبال نے کہا

سماں الفقر فخری کا تھا جن کی امارت میں

دنیا نے بڑے بڑے تاجدار دیکھے لیکن خلفائے راشدین کی مثال کہیں نہیں دیکھی تاریخ کو صدیوں پیچھے الٹتے جاؤ مگر پیغمبروں کے بعد خلفائے راشدین کی طرح کہیں نظر نہیں آئیں گے۔کیوں۔اس لئے کہ یہ لوگ اس تصور کے ساتھ زندگی گزارتے تھے کہ جب ہم اپنے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جا کر ملیں گے تو انہیں کیا منہ دکھائیں گے کہ خلافت تو آقا کے نام پر ہو اور انداز قیصر و کسریٰ کا نظر آیا۔(جاری ہے)

اُم مجاہد

پردے کے تفصیلی احکام

نزول حجاب کی تاریخ

عورتوں اور مردوں میں بے محابا اختلاط تو دنیا کی پوری تاریخ میں آدم علیہ السلام سے لے کر خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم تک کسی زمانے میں درست نہیں سمجھا گیا اور صرف اہل شرائع ہی نہیں دنیا کے عام شریف خاندانوں میں ایسے اختلاط کو روا نہیں رکھا گیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سفر مدین کے وقت جن عورتوں کا اپنی بکریوں کو پانی پلانے کے لئے الگ رکے ہوئے کھڑے ہونے کا ذکر ہے اس کی وجہ یہی بتلائی گئی ہے کہ ان عورتوں نے مردوں کے ہجوم میں گھسنا پسند نہ کیا سب کے بعد بچے ہوئے پانی پر قناعت کی حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا جن کے نکاح کے وقت پہلی آیت حجاب نازل ہوئی اس کے نازل ہونے سے پہلے بھی جامع ترمذی کی روایت میں ان کی گھر میں نشست کی یہ صورت بیان کی ہے "وھی مولیۃ وجھیھا الی الحائط" یعنی وہ اپنا رخ دیوار کی طرف پھیرے ہوئے بیٹھی تھیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ نزول حجاب سے پہلے عورتوں مردوں میں بے محابا اختلاط اور بے تکلفی ملاقات و گفتگو کا رواج شریف اور نیک لوگوں میں کہیں نہ تھا قرآن کریم میں جس جاہلیت اولی اور اس میں عورتوں کے تبرج وظہور کا ذکر ہے۔ وہ بھی عرب کے شریف خاندانوں میں نہیں بلکہ لونڈیوں اور آوارہ عورتوں میں تھا عرب کے شریف خاندان اس کو معیوب سمجھتے تھے۔ عرب کی پوری تاریخ اس کی شاہد ہے۔ ہندوستان میں ہندو، بدھ مت

اور دوسرے مشرکانہ مذاہب والوں میں عورتوں مردوں کے درمیان بے محابا اختلاط گوارا نہ تھا یہ مردوں کے دوش بدوش کام کرنے کے دعوے اور بازاروں اور سڑکوں پر پریڈ کرنے اور تعلیم سے لے کر ہر شعبہ زندگی میں مرد وزن کے بے تکلف اختلاط، ضیافتوں اور کلبوں میں بے تکلف ملاقاتوں کا سلسلہ صرف یورپین اقوام کی بے حیائی اور فحاشی کی پیداوار ہے۔

جس میں یہ اقوام بھی اپنے ماضی سے ہٹ جانے کے بعد مبتلا ہوئی ہیں۔ قدیم زمانے میں ان کی بھی یہ صورت نہ تھی۔ حق تعالیٰ نے جس طرح عورت کی جسمانی تخلیق کو مردوں سے ممتاز رکھا ہے جو ان کو فطری طور پر مردوں سے الگ تھلگ رہنے اور تستر پر آمادہ کرتی ہے اور یہ فطری اور طبعی حیا کا پردہ عورتوں و مردوں کے درمیان ابتداءِ آفرینش سے حائل رہا ہے۔ ابتداء اسلام میں بھی باہمی پردہ کی یہی نوعیت تھی۔ پردہ نسواں کی یہ خاص نوعیت کہ عورتوں کا اصل مقام گھروں کی چار دیواری ہو اور جب کسی شرعی ضرورت سے باہر نکلنا ہو تو پورے بدن کو چھپا کر نکلیں یہ ہجرت مدینہ کے بعد ۵ ھ میں جاری ہوا ہے۔

جس کی تفصیل یہ ہے کہ باتفاق علمائے امت اس پردہ کے متعلق پہلی آیت وہ ہے جو اوپر مذکور ہوئی ہے لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ اور یہ آیت حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے نکاح اور حرم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں داخلہ کے وقت نازل ہوئی ہے۔ اس نکاح کی تاریخ میں حافظ ابن حجر نے اصابہ میں اور ابن عبدالبر نے استیعاب میں دو قول نقل کئے ہیں کہ تین ہجری میں ہوا یا پانچ ہجری میں ہوا ابن کثیرؒ نے ۵ ہجری کو ترجیح دی، ابن سعدؒ

نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بھی ۵ ہجری میں نقل کیا ہے حضرت عائشہؓ کی بعض روایات سے بھی اس کی ترجیح معلوم ہوتی ہے۔ واللہ اعلم

آیت مذکورہ میں عورتوں کو پس پردہ رہنے کا حکم دیا اور مردوں کو حکم ملا کہ اگر ان سے کوئی چیز مانگنا ہے تو پردے کے پیچھے سے مانگیں اس میں پردہ کی خاص تاکید پائی گئی کہ بلاضرورت تو عورتوں کو الگ ہی رہنا ہے ضرورت کے وقت ان سے بات کرنا ہو تو پس پردہ کر سکتے ہیں۔

قرآن کریم میں پردہ نسواں اور اس کی تفصیلات کے متعلق سات آیتیں نازل ہوئی ہیں چار سورہ احزاب میں، تین سورہ نور میں گزر چکی ہیں اس پر سب کا اتفاق ہے کہ پردہ کے متعلق سب سے پہلے نازل ہونے والی یہی آیت ہے لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ إِلَّا أَنْ يُؤْذَنَ لَكُمْ (الآیۃ) سورہ نور کی تینوں آیتیں اور سورہ احزاب کے شروع کی آیت جس میں ازواج مطہرات کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ اپنے گھروں میں بیٹھیں "وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ" پر سب اگرچہ ترتیب قرآن میں پہلے ہے اگر نزول کے اعتبار سے دیا گیا ہے جب کہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہا کو منجانب اللہ اختیار دیا گیا تھا کہ اگر دنیا کی وسعت چاہتی ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے طلاق لے لیں اور آخرت کو ترجیح دے کر دنیا کی معیشت میں موجودہ حالت پر قناعت کریں تو نکاح میں رہیں۔

اس واقعہ تخییر میں بھی مذکور ہے کہ جن ازواج کو یہ اختیار دیا گیا تھا ان میں حضرت

زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا بھی شامل تھیں اس سے معلوم ہوا کہ ان کا نکاح اس آیت سے پہلے ہو چکا تھا۔ یہ آیت بعد میں نازل ہوئی ہے۔ اس طرح سورہ نور کی آیتیں جن میں پردہ کے متعلق تفصیلات یہ ہیں اگر چہ ترتیب قرآنی میں مقدم ہیں مگر نزول کے اعتبار سے وہ بھی اس کے بعد قصہ افک کے ساتھ نازل ہوئی ہیں جو غزوہ بنی المصطلق یا مریسیع سے واپسی میں پیش آیا تھا یہ غزوہ ٦ ہجری میں ہوا ہے اور پردہ شرعی کے احکام اس وقت سے جاری ہوئے ہیں جبکہ حضرت زینب رضی اللہ عنہ کے نکاح میں آیت پردہ نازل ہوئی سورہ نور کی آیات متعلقہ حجاب سورہ نور میں گزر چکی ہیں۔

ستر عورت کے احکام اور حجاب نساء میں فرق

مرد و عورت کا وہ حصہ بدن جس کو عربی میں عورت اور اردو اور فارسی میں ستر کہتے ہیں جس کا سب سے چھپانا شرعی، طبعی اور عقلی طور پر فرض ہے اور ایمان کے بعد سب سے پہلا فرض جس پر عمل ضروری ہے وہ ستر عورت یعنی اعضاء مستورہ کا چھپانا ہے یہ فریضہ تو ابتداء آفرینش سے فرض ہے تمام انبیاء علیہم السلام کی شریعتوں میں فرض رہا ہے بلکہ شرائع کے وجود سے بھی پہلے جب جنت میں شجر ممنوعہ کھا لینے کے سبب حضرت آدم علیہ السلام و حوا علیہا السلام کا جنتی لباس اتر گیا تو وہاں بھی حضرت آدم علیہ السلام نے ستر کھلا رکھنے کو جائز نہیں سمجھا۔ اسی لئے آدمؑ و حواؑ دونوں نے جنت کے پتے اپنے ستر پر باندھ لئے **طبقات یخصفان علیهما من ورق الجنة** کا یہی مطلب ہے دنیا میں آنے کے بعد آدم علیہ

السلام سے لے کر خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم تک ہر پیغمبر دین کی شریعت میں ستر چھپانا فرض رہا ہے۔ اعضاء مستورہ کا تعین اور تحدید میں اختلاف ہوسکتا ہے کہ ستر کہاں سے کہاں تک ہے مگر اصل فرضیت ستر عورت کی تمام شرائع انبیاء میں مسلمہ ہے اور یہ فرض ہر انسان مرد عورت پر فی نفسہ عائد ہے کوئی دوسرا دیکھنے والا ہو یا نہ ہو اسی لئے اگر کوئی شخص اندھیری رات میں ننگا نماز پڑھے حالانکہ ستر چھپانے کے قابل کپڑا اس کے پاس موجود ہو تو یہ نماز بالاتفاق ناجائز ہے حالانکہ اس کو ننگا کسی نے دیکھا نہیں (بحر الرائق) اسی طرح نماز اگر کسی ایسی جگہ پڑھی جائے جہاں کوئی دوسرا آدمی دیکھنے والا نہیں تو اس وقت بھی اگر نماز میں ستر کھل گیا تو نماز فاسد ہو جاتی ہے (کمال عامۃ کتب الفقہ)

خارج نماز لوگوں کے سامنے ستر پوشی کے فرض ہونے میں تو کسی کا اختلاف ہی نہیں لیکن خلوت میں جہاں کوئی دوسرا دیکھنے والا موجود نہ ہو وہاں بھی صحیح قول یہی ہے کہ خارج نماز بھی بلا ضرورت شرعیہ یا طبیہ کے ستر کھول کر ننگا بیٹھنا جائز نہیں۔ (کما فی البحر عن شرح المنیہ)

یہ حکم ستر عورت کا تھا جو اول اسلام سے بلکہ اول آفرینش سے تمام شرائع انبیاء میں فرض رہا ہے جس میں مرد و عورت دونوں برابر ہیں خلوت و جلوت میں بھی برابر ہیں جیسے لوگوں کے سامنے ننگا ہونا جائز نہیں ایسے ہی خلوت تنہائی میں بھی بلا ضرورت ننگا رہنا جائز نہیں۔

دوسرا مسئلہ

حجاب اور پردہ کا ہے کہ عورتیں اجنبی مردوں سے پردہ کریں اس مسئلہ میں بھی اتنی بات تو انبیاء، صلحا اور شرفا میں ہمیشہ سے رہی ہے کہ اجنبی مردوں کے ساتھ عورتوں کا بے محابا اختلاط نہ ہو حضرت شعیب علیہ السلام کی دو لڑکیوں کا قصہ جو قرآن کریم میں پارہ نمبر ۲۰ میں آیا ہے اس میں لڑکیاں اپنی بکریوں کو پانی پلانے کے لئے بستی کے کنویں پر گئیں جہاں لوگوں کا ہجوم تھا وہ اپنے اپنے جانوروں کو پانی پلا رہے تھے تو قرآن کریم میں ہے کہ یہ لڑکیاں ایک طرف الگ کھڑی ہو گیئں حضرت موسیٰ علیہ السلام جن کا اس وقت اتفاقی طور پر مسافرانہ انداز میں وہاں سے گزر ہوا تو ان لڑکیوں کو علیحدہ کھڑے دیکھ کر سبب پوچھا تو لڑکیوں نے دو باتیں بتلائیں۔

اول یہ کہ اس وقت یہاں مردوں کا ہجوم ہے ہم اپنے جانوروں کو پانی اس وقت پلائیں گے جب یہ لوگ فارغ ہو کر چلے جائیں گے۔

دوسری بات یہ بھی بتلائی کہ ہمارے والد بوڑھے ضعیف ہیں جس میں اشارہ اس طرف ہے کہ جانوروں کو پانی پلانے کے لئے نکلنا یہ عرف و عادات کے اعتبار سے عورتوں کا کام نہیں تھا مگر والد کے ضعف و مجبوری اور کسی دوسرے آدمی کے موجود نہ ہونے کے سبب یہ کام ہمیں کرنا پڑ گیا۔

یہ حال قرآن میں حضرت شعیب علیہ السلام کی لڑکیوں کا بتایا گیا ہے جس سے معلوم ہوا

کہ اس زمانے اور ان کی شریعت میں بھی عورتوں مردوں کا دوش بدوش چلنا اور بے محابا اختلاط پسند نہیں تھا اور ایسے کام جن میں مردوں کے ساتھ اختلاط ہو وہ عورتوں کے سپرد نہیں کئے جاتے تھے بہر حال اس مجموعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے ہے کہ عورتوں کو با قاعدہ پردہ میں رہنے کا حکم اس وقت نہیں تھا اسی طرح ابتداء اسلام میں بھی یہی صورت جاری رہی ۳ ہجری یا ۵ ہجری میں عورتوں پر اجنبی مردوں سے پردہ کرنا فرض کر دیا گیا جس کی تفصیلات آگے آتی ہیں۔

اس سے یہ معلوم ہو گیا کہ ستر عورت اور حجاب نساء یہ دو مسئلے الگ الگ ہیں ستر عورت ہمیشہ سے فرض ہے حجاب نساء ۵ ہجری میں فرض ہوا ستر عورت مرد و عورت دونوں پر فرض ہے اور حجاب صرف عورتوں پر ستر عورت لوگوں کے سامنے اور خلوت دونوں میں فرض ہے حجاب صرف اجنبی کی موجودگی میں۔ یہ تفصیل اس لئے لکھی گئی ہے کہ ان دونوں مسئلوں کو خلط ملط کر دینے سے بہت سے شبہات مسائل اور احکام قرآن کے سمجھنے میں پیدا ہو جاتے ہیں مثلا عورت کا چہرہ اور ہتھیلیاں ستر عورت سے باجماع مستثنیٰ ہیں اس لئے نماز میں چہرہ اور ہتھیلیاں کھلی ہوں تو نماز بالاتفاق و باجماع جائز ہے چہرہ اور ہتھیلیاں تو از روے نص مستثنیٰ ہیں "قَدَمَیۡن" کو فقہا نے ان پر قیاس کر کے مستثنیٰ قرار دیا ہے۔

لیکن اجنبی مردوں سے پردہ میں بھی چہرہ اور ہتھیلیاں مستثنی ہیں یا نہیں اس میں اختلاف ہے جس کی تفصیل سورہ نور کی آیت " وَ لَا یُبۡدِیۡنَ زِیۡنَتَہُنَّ اِلَّا مَا ظَہَرَ مِنۡہَا" کے تحت گزر چکی ہے جس کا خلاصہ آگے آتا ہے۔ (جاری ہے)

اُم ہانی

میرا باورچی خانہ

دھی اور رائتہ سے کریں کھانے کا لطف دوبالا

دودھ سے تیار کیا جانے والا دہی صدیوں سے انسانی غذا کا حصہ ہے۔غذائیت سے بھرپور دہی جگر کی گرمی دور کرنے،موٹاپا کم کرنے،ہاضمہ،دل و دماغ،ہڈیوں اور دانتوں کی مضبوطی کے لیے مفید سمجھا جاتا ہے۔دہی ہمارے نظامِ ہضم کو بہتر بناتا ہے بالخصوص گیس اور بدہضمی میں خاصا فائدہ پہنچاتا ہے۔دہی سے بچوں کو بنیادی غذائیت ملتی ہے اور یہ ان کی نشوونما میں خاصا اہم کردار ادا کرتا ہے۔

بچوں کو دہی کھلانے کے لیے اس میں شہد یا پھر مختلف پھلوں کے ٹکڑے شامل کیے جا سکتے ہیں۔تمام ڈیری مصنوعات میں دہی سب سے زیادہ کھایا جاتا ہے۔

دہی کو گھر پر بآسانی جمایا جاسکتا ہے،جس کے لیے نیم گرم دودھ میں ایک سے دو چمچے دہی یا لسّی ملا کر برتن ڈھک کر کسی کھلی اور نسبتاً گرم جگہ رکھ دیں۔

چند گھنٹوں میں بہترین دہی جم جائے گا۔اسے مختلف پکوان میں ڈالا جاتا ہے جبکہ دہی سے بنی لسّی اور رائتے بھی بہت پسند کیے جاتے ہیں۔دہی سے بننے والی چند مزیدار تراکیب قارئین کی خدمت میں پیش ہیں۔

❊❊❊❊

دھی بھلے

درکار اجزاء:

ماش کی دال۔آدھا پاؤ

زیرہ۔دو چائے کے چمچ

ہرا دھنیا۔دو کھانے کے چمچ

کالی مرچ۔ایک چوتھائی چائے کا چمچ

لال مرچ۔آدھا چائے کا چمچ

چاٹ مسالہ۔ایک چائے کا چمچ

تیل۔حسب ضرورت

ترکیب:

ماش کی دال کو چار گھنٹے تک بھگوئیں اور ادرک کے ساتھ چوپر میں ڈال کر پیس لیں۔ ان میں نمک اور مرچ حسب ذائقہ ڈال کر پیسٹ بنالیں، پھر اس کے چھوٹے چھوٹے کباب بنالیں۔کڑاہی میں دہی بڑوں کے ان کبابوں کو تل لیں۔اب دہی میں نمک، زیرہ، کٹا ہوا ہرا دھنیا، کالی مرچ اور لال مرچ ڈال کر پھینٹ لیں۔سرونگ ڈش میں دہی بھلے ڈال کر اوپر دہی کا مکسچر پھیلائیں اور چاٹ مسالہ اور ہرا دھنیا چھڑک کر پیش کریں۔

****

چائنیز دھی بھلے

درکار اجزاء:

دہی۔آدھا کلو

مایونیز۔ایک کپ

کریم۔ایک پیک

سفید چنے (ابلے ہوئے)۔ایک کپ

میکرونی (ابلی ہوئی)۔ایک کپ

آلو (ابلے ہوئے)۔دو عدد درمیانے

گاجر اور شملہ مرچ (باریک کٹی ہوئی)۔حسبِ ضرورت

پیاز (باریک کٹی ہوئی)۔حسبِ ضرورت

چکن (بون لیس)۔ایک پاؤ

سفید مرچ۔حسبِ ضرورت

نمک۔حسب ذائقہ

ترکیب:

بون لیس چکن کو سویا سوس اور سرکا لگا کر تھوڑی دیر کے لئے رکھ دیں۔دہی کو ایک باؤل میں ڈال کر پھینٹ لیں لیکن دھیان رہے کہ دہی کھٹا نہ ہو۔اس میں سفید مرچ اور نمک مکس کریں، پھر اس میں کریم اور مایونیز ڈال کر مکس کریں۔اب اس میں باریک کٹی ہوئی گاجریں اور شملہ مرچ شامل کر دیں۔کٹی ہوئی پیاز، ابلے چنے، ابلے آلو اور ابلی ہوئی میکرونی شامل کریں۔اب فرائی پین میں ایک چمچ تیل ڈالیں اور اس میں چکن پکائیں۔تھوڑی دیر کے لئے اسے ڈھک دیں تا کہ یہ گل جائے۔اب اس کو بھی دہی میں شامل کر کے سب چیزیں مکس کرلیں۔تھوڑی دیر فریج میں رکھیں اور اس کے بعد کھالیں۔

دھی پکوڑا چاٹ

درکار اجزاء:

دہی ۔ایک کلو

بیسن ۔ایک پاؤ

لہسن ۔ چھ جوئے

پیاز ۔ایک عدد

ہری مرچ ۔ چھ عدد

پسی ہوئی لال مرچ ۔حسب ذائقہ

ادرک ۔ چھوٹا ٹکڑا

نمک ۔حسب ذائقہ

میٹھا سوڈا ۔ایک چمچ

سیاہ زیرہ ۔حسب ضرورت

گھی ۔حسب ذائقہ

ترکیب:

پہلے بیسن میں لہسن، پیاز، ادرک اور ہری مرچ پیس کر ملا لیں اور پھر اس میں سوڈا، نمک اور پسی ہوئی لال مرچ ڈال کر گھول لیں ۔اسے آدھا گھنٹہ بھیگوئے رکھیں اور اس کے بعد کڑاہی میں تیل کڑا کڑائیں ۔آنچ ہلکی رکھ کر پکوڑے تل لیں ۔ بادامی رنگ ہونے پر

انہیں نمک ملے ہوئے ٹھنڈے پانی میں ڈالتے جائیں۔ دہی میں تھوڑا سا پانی ملا کر اسے خوب پھینٹ لیں اور پھر نمک، مرچ اور سیاہ زیرہ ڈال دیں۔ اب پکوڑے نچوڑ کر اس میں ڈالتے جائیں، چند منٹ تک بھیگا رہنے دیں۔ لیجیے نہایت مزیدار دہی کی مسالہ دار پکوڑا چاٹ تیار ہے۔

****

فروزن فروٹ

درکار اجزاء:

دہی۔ ایک پاؤ

کریم۔ تین کھانے کے چمچ

چینی۔ دو کھانے کے چمچ

اسٹرابیری، انگور اور بلیو بیری۔ تمام پھل ملا کر ڈیڑھ پیالی

ترکیب:

دہی میں کریم اور چینی ملا کر پھینٹ لیں، پھر تمام پھلوں کو اس میں ڈبو کر پلیٹ میں رکھ کر جما لیں۔ انگور کے دانوں کو ٹوتھ پک یا شاشلک اسٹک میں لگا کر دہی میں ڈالیں اور پھر جما دیں۔ فروزن فروٹ کھانے کے بعد بہترین میٹھا ہے اور بچوں کی بے وقت کی بھوک کا بھی بہترین حل ہے۔

****

دھی کی لسّی

درکار اجزاء:

دہی۔آدھا کلو

چینی یا نمک۔حسب پسند

پانی۔ایک پاؤ

برف۔حسبِ ضرورت

ترکیب:

دہی کو کسی کھلے منہ کے برتن میں ڈالیں اور مدھانی سے اچھی طرح پھینٹ لیں۔حسب پسند چینی یا نمک ڈال کر خوب پھینٹ لیا جائے اور جب چینی اچھی طرح سے دہی میں حل ہو جائے تو برف ڈال کر مدھانی چلائیں۔پھر حسب پسند پانی ڈال کر مدھانی سے اچھی طرح ملا کر گلاسوں میں پیش کریں۔بالکل اسی طرح آپ دودھ کی لسی بھی بنا سکتے ہیں۔

****

رائتہ

رائتہ ایک ہلکی غذا ہونے کی وجہ سے زود ہضم ہے۔یہ جسم کی گرمی کو ختم کر کے توانائی بخشتا ہے۔دہی ایک پروبائیوٹک غذا ہے،جس میں بیکٹیریا سے لڑنے کی طاقت ہوتی ہے۔رائتے کی درجنوں ترکیبیں چولہا جلائے بغیر جھٹ پٹ بنائی جا سکتی ہیں۔رائتے کو کئی طریقوں سے بنایا جاتا ہے تاکہ آپ ایک ہی طرح کا رائتہ کھا کھا کر بور نہ ہو جائیں۔

کدو کا رائتہ

درکار اجزاء:

کدو۔آدھا کلو

دہی۔ایک کلو

نمک۔حسب ذائقہ

لال مرچ۔حسب ذائقہ

پیاز (باریک کٹی ہوئی)۔ایک عدد چھوٹا سی

کالی مرچ (پسی ہوئی)۔چٹکی بھر

زیرہ۔چٹکی بھر

دھنیا یا پودینہ (باریک کاٹ لیں)۔چند ڈنڈیاں

ترکیب:

کدو کو کدوکش کر کے ابال لیں اور ٹھنڈا کر کے نچوڑ لیں۔دہی میں نمک، لال مرچ، زیرہ اور کالی مرچ ڈالیں، پھر پیاز کدوکش کر کے شامل کریں اور خوب پھینٹ لیں۔اب اس میں ابلا ہوا کدو شامل کر دیں اور اچھی طرح ملا لیں۔اوپر کٹا ہوا دھنیا یا پودینہ ڈال دیں۔ لیجیے کدو کا رائتہ پیش کرنے کے لیے تیار ہے۔

****

کیری کھیرے کا رائتہ

درکار اجزاء:

کھیرے کا چورا۔ایک کپ

دہی۔ایک کپ

کیری۔آدھا کپ

پیاز (باریک کترا ہوا)۔دو کھانے کے چمچ

نمک۔حسبِ ذائقہ

پسی لال مرچ۔ایک چوتھائی چائے کا چمچ

ہری مرچ۔ایک عدد

بھگار کے لئے:

تیل۔دو کھانے کے چمچ

زیرہ۔آدھا چائے کا چمچ

رائی۔آدھا چائے کا چمچ

ثابت لال مرچ۔تین سے چار عدد

کری پتہ۔چھ سے آٹھ عدد

ترکیب:

کیری اور کھیرے کو کش کر کے پھینٹے ہوئے دہی میں مکس کر لیں۔اب اس میں کٹی ہوئی ہری

مرچیں،پسی لال مرچ اور نمک ڈال کر سرونگ پلیٹر میں نکال لیں۔ ایک فرائی پین میں زیرہ،رائی،کڑی پتہ اور ثابت لال مرچ شامل کر کے رائتہ پر بھگار لگائیں۔لیجیے کیری کھیرے کا رائتہ تیار ہے۔

****

باربی کیو رائتہ

درکار اجزاء:

دہی۔دو پیالی (پھینٹی ہوئی)

پسا ہوا لہسن۔آدھا چائے کا چمچ

بھنا اور پسا ہوا زیرہ۔آدھا چائے کا چمچ

پسی ہوئی لال مرچ۔آدھا چائے کا چمچ

چاٹ مسالہ۔آدھا چائے کا چمچ

نمک۔ایک چوتھائی چائے کا چمچ

پودینہ۔سجانے کے لیے

ترکیب:

ایک پیالے میں تمام اجزاء ملالیں اور اسے کوئلے کا دھواں دے کر پودینے سے سجا کر پیش کریں۔

****

پائن ایپل رائتہ

درکار اجزاء:

پائن ایپل۔ایک کپ

دہی۔2 کپ

کریم۔آدھا کپ

زیرہ۔ایک چائے کا چمچ

نمک۔ایک چائے کا چمچ

چینی۔2 کھانے کا چمچ

ترکیب:

دہی میں نمک اور چینی ملا کر اچھی طرح پھینٹ لیں۔اب اس میں کریم شامل کریں۔ ساتھ ہی بھنا اور پسا زیرہ آدھی مقدار میں ڈالیں۔آخر میں پائن ایپل شامل کرکے ٹھنڈا کرلیں۔پراٹھے کے ساتھ پائن ایپل رائتہ پیش کریں۔